الرسالہ

ISSN 0970-180X

زیر سرپرستی
مولانا وحید الدین خان
صدر اسلامی مرکز

یہ ممکن ہے کہ آپ کسی چیز پر بلا استحقاق قبضہ کرلیں
مگر یہ ناممکن ہے کہ آپ
کسی چیز پر اپنے بلا استحقاق قبضہ کو باقی رکھ سکیں

اپریل ۱۹۹۱ شمارہ ۱۷۳

خلیج ڈائری

خلیج کی جنگ کے سبق آموز پہلو

الرسالہ مئی ۱۹۹۱ انشاء اللہ خصوصی نمبر کے طور پر شائع ہوگا۔ اس کا نام "خلیج ڈائری" ہوگا۔ اس میں خلیج کی جنگ کے دوران کے سبق آموز واقعات درج ہوں گے۔ ہر مضمون ایک صفحہ کا ہوگا۔ جنگ کے موضوع پر کتابیں عام طور پر سیاسی یا واقعاتی انداز میں لکھی جاتی ہیں۔ مگر یہ پورا مجموعہ سبق اور نصیحت کے انداز میں ہوگا۔ اصحاب ایجنسی اگر تعداد میں کوئی تبدیلی کرنا چاہیں تو فوراً مطلع فرمائیں۔

(قیمت : ۵ روپیہ)

AL-RISALA Monthly
The Islamic Centre C-29 Nizamuddin West New Delhi 110 013

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الرسالہ

اردو، ہندی اور انگریزی میں شائع ہونے والا

اسلامی مرکز کا ترجمان

اپریل ۱۹۹۱ □ شمارہ ۱۷۳

AL-RISALA (Urdu) Monthly
The Islamic Centre C-29 Nizamuddin West, New Delhi 110 013, India
Telephone: 611128, 697333 □ Telex: 031-61758 FLSH IN ATT IC
Fax: 91-11-353318, 3312601
Annual Subscription: Inland Rs. 60 □ Abroad US $ 25 (Air Mail)

لیس کمثلہ شئ

قرآن میں خدا کے بارہ میں یہ الفاظ آئے ہیں کہ اس کے مثل کوئی چیز نہیں (الشوریٰ ۱۱) خدا ہر اعتبار سے ایک برتر ہستی ہے۔ اس کا برتر ہونا ہی اس کو یہ حیثیت دیتا ہے کہ وہ تمام موجودات کا خدا ٹھہرے۔ سب کے سب اس کے آگے جھک جائیں۔ سب کے سب اس کو اپنا بڑا بنا کر اس کے مقابلہ میں چھوٹا بننے پر راضی ہو جائیں۔

خدا اپنی ذات میں قائم ہے۔ انسان پیدا کیے جانے سے پیدا ہوا ہے۔ مگر خدا اس سے بلند ہے کہ کوئی اس کو پیدا کرے۔ خدا کا وجود ایک مستقل وجود ہے۔ وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ وہ ایک ہے۔ وہ سب سے بے نیاز ہے۔ اس کا نہ کوئی باپ ہے اور نہ کوئی اس کا بیٹا۔ اس کے برابر کوئی نہیں۔

خدا "نہیں" سے "ہے" کو برپا کرنے کی طاقت رکھتا ہے۔ وہی ہے جس نے تمام غیر موجود چیزوں کو موجود کیا۔ مادہ اور حرکت اور روشنی اور توانائی اور شعور کی صورت میں جو کچھ آج کائنات میں نظر آتا ہے، وہ سب اسی کا پیدا کیا ہوا ہے۔ اسی نے تمام چیزوں کو وجود بخشا ہے۔

خدا غیب کا علم رکھتا ہے۔ وہ ماضی اور حال کے ساتھ مستقبل کو بھی پوری طرح جانتا ہے۔ خدا کی اسی صفت خاص کی بنا پر یہ ممکن ہوا کہ وہ کائنات کی ایسی منصوبہ بندی کرے کہ اس کے تمام اجزاء ایک دوسرے سے متوافق ہوں۔ ان میں ابدی طور پر کسی نقص کا ظہور نہ ہو سکے۔

خدا ایک زندہ ہستی ہے۔ وہ نیند اور تکان اور کمزوری سے اعلیٰ اور ارفع ہے۔ وہ اپنی وسیع کائنات کا مسلسل نظم کر رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہزاروں بلین سال گزرنے کے بعد بھی کائنات کی حرکت برابر جاری ہے۔ اس میں کبھی وقفہ نہیں پڑا۔ اس میں کوئی خلل واقع نہیں ہوا۔

خدا ایک صاحبِ قوت ہستی ہے۔ خدا اگر صاحب قوت نہ ہو تو انسان کے پاس قوت کہاں سے آئے۔ خدا تمام چیزوں کو دیکھنے والا ہے۔ خدا اگر نہ دیکھے تو انسان بھی دیکھنے سے محروم رہے۔ خدا شعور اور ادراک کا مالک ہے۔ خدا اگر شعور اور ادراک کا مالک نہ ہو تو انسان کے پاس نہ شعور ہوگا اور نہ وہ کسی چیز کا ادراک کر سکے گا۔ خدا سب کچھ ہے۔ خدا ان صفات کا مالک بھی ہے جن کو ہم جانتے ہیں اور ان صفات کا مالک بھی جن کو ہم نہیں جانتے۔ موجودہ دنیا میں خدا کی خالقیت کا ظہور ہوا ہے، آخرت میں خدا کی حاکمیت اپنی کھلی ہوئی صورت میں ظاہر ہو جائے گی۔

محمد رسول اللہؐ

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم قدیم مکہ میں پیدا ہوئے تو وہاں شرک چھایا ہوا تھا۔ تمام مفادات شرک سے وابستہ ہو گئے تھے۔ مگر آپ نے اپنے آپ کو ماحول سے اوپر اٹھایا۔ حالات سے موافقت کرنے کے بجائے آپ نے اپنے کو تلاش حق کی راہ میں لگا دیا۔ اللہ نے آپ کی مدد فرمائی۔ آپ کو سچائی کی ہدایت ملی اور مزید انعام کے طور پر نبوت بھی عطا کی گئی۔

آپ خدا کے سچے عبادت گزار بن گئے۔ آپ نے اپنے تمام اعلیٰ جذبات کا مرکز صرف ایک خدا کو بنا لیا۔ آپ نے اپنے پورے وجود کو خدا کے حوالے کر دیا۔ نہ صرف دن میں بلکہ راتوں میں بھی آپ خدا کی عبادت کرتے۔ نہ صرف لوگوں کے سامنے بلکہ تنہائی میں بھی آپ خدا کے خاشع بنے رہتے۔

آپ نے بلند کرداری کو اپنا اخلاق بنایا۔ لوگوں کے برے سلوک کے باوجود آپ ان کے ساتھ اچھا سلوک کرتے۔ لوگ آپ کو تکلیف پہنچاتے مگر آپ ان کے حق میں دعا دیتے۔ آپ نے ظالموں کے ظلم پر صبر کیا۔ آپ اشتعال انگیزی کے باوجود مشتعل نہیں ہوئے۔

آپ کے لیے اپنے وطن میں رہنا ناممکن بنا دیا گیا۔ آپ کو مجبوراً اپنا وطن چھوڑنا پڑا۔ آپ مکہ سے مدینہ چلے گئے۔ آپ نے فرار کو ہجرت میں تبدیل کر دیا۔ آپ کے خلاف لوگوں نے جنگ کی طاقت کا مظاہرہ کیا مگر آپ نے بے پناہ عزم کے ساتھ بتایا کہ امن کی طاقت جنگ کی طاقت سے بھی زیادہ بڑی ہے۔

آپ کو مقبولیت ملی مگر آپ نے فخر نہیں کیا۔ آپ کے پاس دولت آئی مگر آپ عیش سے دور رہے۔ آپ کو حکومت دی گئی مگر اس نے صرف آپ کی تواضع میں اضافہ کیا۔ آپ کو ہر قسم کی بلندیاں ملیں مگر آپ نے عجز اور عبدیت کو اپنا شعار بنایا۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم پر ہر قسم کے لمحات آئے اور زندگی کے تمام تجربات گزرے۔ آپ معاشی تنگی کے دور سے بھی گزرے اور فراخی اور آسودگی کے دور سے بھی۔ آپ کو صحت کا تجربہ بھی ہوا اور بیماری کا تجربہ بھی۔ آپ کا سابقہ تعریف کرنے والوں سے بھی پیش آیا اور تنقید کرنے والوں سے بھی۔ آپ کو اپنی زندگی میں دشمن بھی ملے اور دوست بھی۔ آپ شکست سے بھی دوچار ہوئے اور آپ نے عظیم کامیابی بھی حاصل کی۔ مگر ہر حال میں آپ اعتدال پر قائم رہے۔ ہر حال میں آپ اللہ کے صابر اور شاکر بندہ بنے رہے۔

روزہ اور عید

حدیث میں آیا ہے کہ روزہ دار کے لئے دو خوشیاں ہیں۔ ایک خوشی افطار کے وقت، اور ایک خوشی اس وقت جب کہ وہ اپنے رب سے ملے گا (للصائم فرحتان فرحة عند فطره و فرحة عند لقاء ربه، متفق علیہ)

روزہ میں آدمی صبح سے شام تک بھوک اور پیاس کو برداشت کرتا ہے۔ یہاں تک کہ سورج غروب ہوتا ہے اور وہ روزہ توڑ کر کھانا کھاتا ہے اور پانی پیتا ہے۔ اس وقت آدمی کی وہ حالت ہو جاتی ہے جس کے بارہ میں حدیث میں یہ الفاظ آئے ہیں: ذهب الظمأ وابتلت العروق وثبت الاجر انشاء الله تعالى (پیاس چلی گئی اور رگیں تر ہو گئیں اور اجر ثابت ہو گیا، انشاء اللہ)

روزہ اور افطار دونوں دو مختلف تجربے ہیں۔ اس اعتبار سے وہ دنیا کی اور آخرت کی تمثیل ہیں۔ دنیا میں آدمی پابندیوں اور ذمہ داریوں میں بندھا ہوا ہے۔ آخرت میں وہ خوشیوں اور لذتوں سے محظوظ ہونے کے لئے آزاد کر دیا جائے گا۔ اس طرح روزہ کا وقت گویا دنیا کی علامت ہے، اور افطار کا وقت آخرت کی علامت۔ رمضان کا مہینہ دنیا کی زندگی کو بتا رہا ہے، اور عید، جو زیادہ بڑے افطار کا دن ہے۔ آخرت کی زندگی کا تعارف کراتی ہے۔

آدمی کو چاہئے کہ رمضان کے دنوں میں جب وہ روزہ رکھے تو روزہ اس کے لئے دنیوی زندگی کی پہچان بن جائے۔ روزہ کی حالت میں اس کی نفسیات یہ ہو کہ جس طرح میں نے کھانے اور پینے سے اپنے آپ کو روکا ہے، اسی طرح مجھے خدا کی منع کی ہوئی تمام چیزوں سے رکے رہنا ہے۔ اس دنیا میں مجھے عمر بھر ایک روزہ دار زندگی گزارنا ہے۔

اس کے بعد جب شام ہو اور وہ روزہ ختم کرکے افطار کرے تو اس کا احساس یہ ہو کہ گویا وہ عالم آخرت میں پہنچ گیا ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی مہمانی کی جارہی ہے۔ آنسوؤں کی بارش میں وہ پکار اٹھے کہ خدایا، میں نے تیری خاطر "روزہ" رکھا، اب تو میرے لئے "افطار" کی زندگی لکھ دے۔ میں نے تیرے لئے رمضان کو پورا کیا، اب تو میرے اوپر ابدی عید کی لامحدود نعمتوں کے دروازے کھول دے۔

مومن کے لئے روزہ، دنیا کی زندگی کا تجربہ ہے اور افطار، آخرت کی زندگی کا تجربہ۔

ترتیب

خلیفہ دوم عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کا ذکر انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا میں اتنا مختصر ہے کہ وہ الرسالہ انگریزی کی صرف دو سطروں کے برابر ہے۔ مگر ڈاکٹر مائیکل ہارٹ نے اپنی مشہور کتاب (The 100) میں پوری تاریخ سے جن ایک سو بڑے آدمیوں کا انتخاب کیا ہے، ان میں عمر بن الخطاب کا نام نمبر ۵۱ پر ہے۔

یہ ایک مثال ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ تاریخ میں کسی کا نام آنا یا نام نہ آنا، یا کم ذکر ہونا یا زیادہ ذکر ہونا، کوئی معیار نہیں۔ مؤرخین کبھی کسی شخصیت کو اپنی کتاب میں حذف کر دیتے ہیں، حالانکہ وہی شخصیت سب سے زیادہ قابل ذکر ہوتی ہے، اور کبھی کسی شخصیت کو نمایاں کر کے بیان کرتے ہیں، حالانکہ وہ شخصیت سرے سے اس قابل نہیں ہوتی کہ اس کو بیان کیا جائے۔

عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے بارہ میں ڈاکٹر مائیکل ہارٹ نے جو کچھ لکھا ہے، اس کا ایک حصہ یہ ہے ——— عمر کی کامیابیاں حقیقۃً بے حد اثر انگیز ہیں۔ کچھ لوگوں کو تعجب ہوگا کہ عمر، جو کہ مغرب میں تقریباً غیر معروف ہیں، ان کو اس کتاب میں شارلیمان اور جولیس سیزر جیسی شخصیتوں سے زیادہ بڑا مقام دیا جائے۔ تاہم عمر کی شاندار قیادت کے تحت عربوں نے جو فتوحات حاصل کیں، ان کا پھیلاؤ اور ان کی مدت اپنی حقیقت کے اعتبار سے سیزر اور شارلیمان کے کارناموں سے زیادہ اہم ہیں:

> Umar's achievements are impressive indeed... It may occasion some surprise that Umar – a figure virtually unknown in the west – has been ranked higher than such famous men as Charlemagne and Julius Caesar. However, the conquests made by the Arabs under Umar's brilliant leadership, taking into account both their size and their duration, are substantially more important than those of either Caesar or Charlemagne (p. 257).

انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا نے عمر فاروق کو کوئی خاص قابل ذکر مقام نہیں دیا۔ ڈاکٹر مائیکل ہارٹ نے آپ کو دنیا کے بڑے انسانوں میں نمبر ۵۱ پر رکھا۔ اسلامی تاریخ میں آپ کا نام نمبر ۲ پر لکھا ہوا ہے۔

کتنے اللہ کے بندے ہیں جن کو دنیا کے لکھنے اور بولنے والوں نے ناقابل ذکر ٹھہرا رکھا ہے۔ آخرت کا انقلاب اس کی تصحیح کرے گا۔ اس وقت ہر ایک کا نام وہاں لکھا جائے گا جس کا وہ حقیقۃً مستحق تھا، نہ کہ وہاں جہاں لوگوں نے بطور خود اس کا نام لکھ رکھا تھا۔

ایک دعا

عمرو بن بحر بن محبوب الکنانی (۱۶۳-۲۵۵ھ) بصرہ میں پیدا ہوئے اور وہیں انتقال کیا۔ وہ عام طور پر الجاحظ کے نام سے مشہور ہیں۔ ان کا شمار ادب کے ائمہ میں ہوتا ہے۔ مطالعہ کے اتنے زیادہ حریص تھے کہ آخر عمر میں جب مفلوج ہو کر مرے تو ان کے سینہ پر کتاب رکھی ہوئی تھی۔ ان کی ایک کتاب "البیان والتبیین" ہے۔ اس کتاب کے مقدمہ میں انھوں نے یہ دعا لکھی ہے :

اللّٰھم إنا نعوذ بك من فتنة القول
کما نعوذ بك من فتنة العمل۔
ونعوذ بك من التکلف لما لا نحسن
کما نعوذ بك من العجب بما نحسن۔
ونعوذ بك من السلاطة والهذر
کما نعوذ بك من العی والحصر

اے اللہ، ہم تجھ سے قول کے فتنہ سے اسی طرح پناہ مانگتے ہیں جس طرح ہم تجھ سے عمل کے فتنہ سے پناہ مانگتے ہیں۔ اور ہم تجھ سے اس کام کا بار اٹھانے سے پناہ مانگتے ہیں جس کو ہم بخوبی نہیں کر سکتے اور اسی طرح اس کام پر گھمنڈ سے پناہ مانگتے ہیں جس کو ہم بخوبی کر سکتے ہیں۔ اور ہم تجھ سے زباں درازی اور لغویات سے پناہ مانگتے ہیں جس طرح ہم تجھ سے کلام پر قادر نہ ہونے اور گفتگو میں عاجز ہو جانے سے پناہ مانگتے ہیں۔

یہ دنیا آزمائش کی جگہ ہے۔ یہاں ہر چیز کے ساتھ کوئی نہ کوئی آزمائش کا پہلو لگا ہوا ہے۔ اس لیے وہ شخص جو خدا کی پکڑ سے ڈرتا ہو، اس کو ہر معاملہ میں خدا سے پناہ مانگنا چاہیے اور ہر معاملہ میں خدا کی مدد کا طالب ہونا چاہیے۔

اس دنیا کا اصل امتحان یہ نہیں ہے کہ آدمی نے کیا پایا اور کیا کھویا۔ یہاں اصل امتحان یہ ہے کہ کھونے یا پانے کے موقع پر اس نے کیا ردعمل (response) پیش کیا۔ اس کو قول کے معاملہ میں بھی اتنا ہی محتاط ہونا چاہیے جتنا کوئی شخص عمل کے معاملہ میں محتاط ہوتا ہے۔ اس کو اپنے کیے کو بھی اسی خانہ میں ڈالنا چاہیے جس خانہ میں وہ اپنے نہ کیے کو ڈالتا ہے۔ اس کو قدرت کے موقع پر بھی اسی طرح عبدیت کا ثبوت دینا چاہیے جس طرح عجز کے موقع پر عبدیت کا ثبوت دیا جاتا ہے۔

اس دنیا میں کامیابی بھی آزمائش ہے اور ناکامی بھی آزمائش۔ یہاں عمل بھی جانچ کا لمحہ ہے اور بے عملی بھی جانچ کا لمحہ۔

اشاعت اسلام

ٹائمس آف انڈیا (دہلی اڈیشن) ۱۲ اکتوبر ۱۹۹۰، صفحہ ۲ کے پہلے کالم میں ذاتی (personal) کے عنوان کے تحت یہ اعلان درج ہے کہ ——— میں، اشوک مدن، عمر ۳۰ سال، ولد شری اے ایل مدن، ساکن جی ۱۲/۲، مالویہ نگر، نئی دہلی، نے اپنے آزادانہ اختیار سے اسلام قبول کر لیا ہے اور اب سے میرا نام اختر مدن ہوگا :

> I, Ashok Madan, aged 30, son of Shri A.L. Madan, resident of G-12/2, Malviya Nagar, New Delhi, have embraced Islam on my own free choice and will henceforth be known as Akhtar Madan. (C-59254)

یہ کوئی اتفاقی یا استثنائی خبر نہیں۔ اس طرح کے واقعات اس ملک میں اور ساری دنیا میں ہر روز ہوتے رہتے ہیں۔ کوئی دن ایسا نہیں گزرتا جب کہ زمین پر چلنے پھرنے والی کچھ روحیں اپنے آبائی دین کو چھوڑ کر اسلام کے دائرہ میں داخل نہ ہو جائیں۔

یہ جو ہو رہا ہے، کیا وہ مسلمانوں کی کسی تبلیغی کوشش کے نتیجہ میں ہو رہا ہے۔ ہرگز نہیں۔ آج مسلمان ساری دنیا میں ایک ارب کی تعداد میں آباد ہیں۔ ان کے درمیان اسلام کے نام پر بے شمار بڑی بڑی سرگرمیاں جاری ہیں۔ مگر واحد سرگرمی جس سے خدا کی زمین تقریباً خالی ہے، وہ دعوت و تبلیغ کی سرگرمی ہے۔ خدا کے بندوں تک خدا کا دین پہنچانے کا کام واحد کام ہے جس کو کرنے والا آج زمین کی پیٹھ پر کوئی نہیں۔

اس کے باوجود اسلام کیوں پھیل رہا ہے۔ جواب یہ ہے کہ خود اپنی طاقت کے ذریعہ۔ خدا اور مذہب کا جذبہ انسان کی فطرت میں پیوست ہے۔ وہ اپنے فطری جذبہ کے تحت خدائی مذہب کی تلاش میں نکلتا ہے۔ مگر چونکہ دوسرے مذاہب انسانی آمیزش کے نتیجہ میں بگڑ چکے ہیں، اس لیے ان متلاشیوں کی تسکین دوسرے مذاہب میں نہیں ہوتی۔ اس کے بعد جب وہ اسلام کا مطالعہ کرتے ہیں تو وہ محسوس کرتے ہیں کہ یہی وہ چیز ہے جس کو ان کی فطرت تلاش کر رہی تھی۔ اسلام کا غیر محرف ہونا اور اس کا تاریخی طور پر ثابت شدہ مذہب ہونا، وہ خصوصیت ہے جس نے اسلام کے اندر یہ طاقت پیدا کر دی ہے کہ وہ اپنے آپ پھیلتا رہے، خواہ کسی نے اس کی تبلیغ کی کوشش کی ہو یا نہ کی ہو۔

تقویٰ اور اخلاق

سُئِلَ رسولُ اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم عن اکثرِ ما یُدخل الناس الجنۃ۔ قال: تقوی اللّٰہ وحُسن الخُلق (رواہ الترمذی)

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ وہ کیا چیز ہے جو سب سے زیادہ لوگوں کو جنت میں لے جائے گی۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ کا ڈر، اور اچھا اخلاق۔

انسان خدا کا بندہ ہے۔ اسی کے ساتھ موجودہ دنیا میں اس کو دوسرے انسانوں کے ساتھ رہنا ہوتا ہے۔ اس طرح آدمی بیک وقت دو تعلق کے درمیان ہوتا ہے۔ ایک خدا سے تعلق۔ اور دوسرا، انسانوں سے تعلق۔ اس اعتبار سے انسان کے امتحان کے دو پہلو ہو جاتے ہیں۔ اور امتحان کے ان دونوں پرچوں میں اس کو پورا اترنا ہے۔

خدا کی نسبت سے جو چیز مطلوب ہے، وہ یہ کہ آدمی خدا کو اپنا خالق ومالک سمجھے۔ وہ خدا کی عظمتوں کے احساس سے سرشار ہو۔ اس عقیدہ اور اس احساس سے کسی کے اندر جو قلبی کیفیت پیدا ہوتی ہے، اسی کا نام تقویٰ ہے۔

خدا بڑا ہے، انسان چھوٹا ہے۔ خدا قادر ہے، انسان عاجز ہے۔ خدا دینے والا ہے، انسان پانے والا ہے۔ ان حقیقتوں کا شعور آدمی کے اندر اعتراف اور تواضع اور مسئولیت کا احساس پیدا کرتا ہے۔ اس کے اندر سرکشی کا مزاج ختم ہو جاتا ہے۔ وہ خدا کی محبت اور خوف کے جذبات کے تحت دنیا میں زندگی گزارنے لگتا ہے۔

اس قسم کا انسان جب دوسرے انسانوں کے درمیان آتا ہے، تو ان سے معاملہ کرتے ہوئے اس کی پوری روش حُسنِ اخلاق میں ڈھل جاتی ہے۔ اس کا بول تواضع کا بول ہوتا ہے۔ اس کا عمل انصاف کا عمل ہوتا ہے۔ وہ ایک ایسے انسان کی طرح زندگی گزارنے لگتا ہے جو یہ دیکھ رہا ہو کہ اس کے اوپر اس کا خدا کھڑا ہوا اس کی نگرانی کر رہا ہے۔ وہ اس کے ہر قول وفعل کا حساب لینے والا ہے۔ ایسے انسان سے جو اخلاق ظاہر ہو، اسی کا نام حُسنِ خُلق ہے۔

جو آدمی ان دونوں امتحانوں میں پورا اترے، وہی وہ شخص ہے جس کو جنت کے ابدی باغوں میں داخل کیا جائے گا۔

شدید تر زلزلہ

فروری ۱۹۸۳ میں آسٹریلیا میں ایڈیلیڈ (Adelaide) کے علاقہ میں آگ لگی۔ اکہتر آدمی جل کر مر گیے۔ اور آٹھ ہزار آدمی بے گھر ہو گیے۔ اس کو بجھانے کی کوشش کرنے والوں میں سے ایک شخص نے کہا:

It was man versus nature and although it may sound dramatic no amount of resources or of bravery would have helped.

یہ انسان اور فطرت کا مقابلہ تھا اور اگرچہ یہ ڈرامائی معلوم ہوتا ہے مگر وسائل یا بہادری کی کوئی بھی مقدار اس موقع پر مددگار نہیں ہو سکتی تھی (گارجین ۲۷ فروری ۱۹۸۳)

زلزلہ کے بارے میں یہ نہایت صحیح تبصرہ ہے۔ زلزلہ خدا کی اس بے پناہ طاقت کا ابتدائی تعارف ہے جو قیامت کی صورت میں آئندہ ظاہر ہونے والی ہے۔ ایک وقت آنے والا ہے جب کہ خدا موجودہ دنیا کو ایک عمومی اور شدید تر زلزلہ کے ذریعہ توڑ دے اور کوئی انسان اس کے مقابلہ میں کچھ نہ کر سکے۔

اس دن پہاڑ ریت کے ذروں کی طرح بکھر جائیں گے۔ سمندر شدید تلاطم کی بنا پر خشکی کے اوپر بہہ پڑیں گے۔ بڑے بڑے شہر آندھی کے تنکے کی طرح زمین بوس ہو جائیں گے۔ ساری دنیا میں انسان کے لیے کوئی جگہ نہیں ہوگی جہاں بھاگ کر وہ پناہ لے سکے۔

یہ موجودہ دنیا کے خاتمہ اور نئی دنیا کے آغاز کا دن ہوگا۔ آج کی دنیا میں انسان کو جو کچھ ملا ہے وہ برائے امتحان ملا ہے۔ اگلی دنیا میں آدمی کو جو کچھ ملے گا وہ عمل کی جزا کے طور پر ملے گا۔

اس دن دنیا کا خالق و مالک ظاہر ہو کر تمام انسانوں کا حساب کرے گا۔ اچھے لوگ ایک طرف اور برے لوگ دوسری طرف کر دیئے جائیں گے۔ اچھے لوگوں کے لیے اچھی زندگی ہوگی اور برے لوگوں کے لیے بری زندگی۔ ہر ایک اپنے اپنے انجام کو ابدی طور پر بھگتتا رہے گا۔

آج کا زلزلہ کل کے شدید تر زلزلہ کی تمہید ہے۔ عقل مند وہ ہے جو آج کے آئینہ میں کل کو دیکھ لے۔ جو کل کے آنے سے پہلے کل کی تیاری میں لگ جائے۔ کیوں کہ تیاری کا جو کچھ موقع ہے وہ آج ہے۔ کل کا دن صرف بھگتنے کا دن ہوگا نہ کہ تیاری کرنے کا دن۔

زلزلہ کو جاننے والا وہ ہے جو آج کے زلزلہ میں کل کے زلزلہ کو دیکھ لے۔

جاہلیت کی پکار

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ بنی المصطلق (۶ھ) سے واپس آرہے تھے۔ راستہ میں ایک مقام پر آپ نے پڑاؤ ڈالا۔ یہاں پر مریسیع نام کا ایک کنواں تھا۔ یہاں پانی لیتے ہوئے دو مسلمانوں میں جھگڑا ہوگیا۔ ایک مسلمان کا تعلق مہاجرین سے تھا اور دوسرے مسلمان کا تعلق انصار سے۔ جب تکرار بڑھی تو دونوں نے اپنے اپنے قبیلہ کو حمایت کے لیے پکارا۔ ایک نے کہا کہ یامعشر الانصار (اے گروہ انصار) دوسرے نے کہا کہ یامعشر المہاجرین (اے گروہ مہاجرین) اس کے بعد دونوں گروہ کے لوگ ایک دوسرے کے خلاف جمع ہوگئے اور قریب تھا کہ دونوں آپس میں لڑ پڑیں۔ ایک روایت کے مطابق، پکار کے الفاظ یہ تھے: یاللانصار (اے انصار دوڑو) یاللمہاجرین (اے مہاجرین دوڑو)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا تو آپ وہاں آئے اور پوچھا کہ یہ جاہلی پکار کیا ہے (ما بال دعوی الجاھلیۃ) لوگوں نے قصہ بتایا۔ آپ نے فرمایا کہ اس کو چھوڑو۔ کیوں کہ یہ سب گندی باتیں ہیں (دعوھا فانھا مُنتِنَۃ) حیاۃ الصحابہ ۱/ ۴۷۳-۴۷۲

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پکار کو جاہلیت کی پکار کیوں کہا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ یہ پکار دو آدمیوں کے انفرادی مسئلہ کو پوری قوم کے لیے غیرت اور حمیت کا مسئلہ بنا رہی تھی، ہر معاشرہ میں ایسا ہوتا ہے کہ مقامی سطح پر بعض افراد کے درمیان کچھ نزاع پیدا ہو جاتی ہے۔ مگر ایسی نزاع کو عمومی رنگ دینا اس کو غیر ضروری طور پر بڑھانا ہے۔ ہر وہ پکار جاہلیت کی پکار ہے جس میں کسی ذاتی یا مقامی مسئلہ کو جذباتی نعروں کے ذریعہ پوری قوم کا مسئلہ بنانے کی کوشش کی گئی ہو۔

جزئی یا مقامی مسئلہ کو جزئی یا مقامی دائرہ میں رکھ کر اسے حل کرنا چاہیے۔ اگر ایسے کسی مسئلہ کو جذباتی اشو بنا کر کہا جانے لگے کہ یہ ہمارے قومی وجود کی علامت ہے۔ یہ ملی غیرت کے لیے چیلنج ہے، یہ پوری امت کے لیے زندگی اور موت کا مسئلہ ہے، تو یہ سب جاہلت کی پکار ہوگی۔ اور جاہلیت کی پکار سے بربادی کے سوا کچھ اور ملنے والا نہیں۔ جزئی مسئلہ کو اگر اپنے حال پر رہنے دیا جائے تو اس کو حل کرنا بہت آسان ہوتا ہے۔ مگر جب اس کو بڑھا دیا جائے تو اس کو حل کرنا اتنا ہی زیادہ مشکل ہوگا جتنا زیادہ اس کو بڑھایا گیا ہے۔

ایک تقابل

الکزینڈر توسپکو (Aleksandr Tosipko) سوویت روس کے ایک مشہور فلسفی ہیں۔ ان کی عمر ۵۰ سال کے قریب ہے۔ وہ ماسکو کے انسٹی ٹیوٹ آف انٹرنیشنل اکونومک اینڈ پولیٹکل اسٹڈیز میں پروفیسر ہیں۔ نیویارک کے ہفتہ وار میگزین نیوز ویک کے نمائندہ نے ان سے ماسکو میں ملاقات کی اور ایک خصوصی انٹرویو لیا جو نیوز ویک کے شمارہ ۲۳ جولائی ۱۹۹۰ میں چھپا ہے۔ ایک سوال وجواب یہ ہے :

Q. How did your views of Marxism evolve? What was most important in your personal development?

A. When you read 'Das Kapital' it's all crystal clear by the time you reach page three. Only an idiot can really believe in Marxism.

نیوز ویک کے نمائندہ نے پوچھا کہ مارکسزم کے بارہ میں آپ کے خیالات کا ارتقار کس طرح ہوا۔ آپ کے ذاتی ارتقار میں سب سے زیادہ اہم کیا چیز تھی۔ روسی پروفیسر نے جواب دیا : جب آپ مارکس کی کتاب داس کیپٹال کو پڑھیں تو اس کے تیسرے صفحہ تک پہنچتے ہی بات بالکل واضح ہو جاتی ہے۔ کوئی دیوانہ ہی حقیقۃً مارکسزم کی صداقت پر یقین کر سکتا ہے۔

سرمایہ دارانہ اقتصادیات کے بارہ میں مارکس نے اپنی کتاب داس کیپٹال جرمن زبان میں لکھی تھی۔ وہ پہلی بار ۱۸۶۷ء میں چھپی۔ اشتراکی حضرات کا کہنا تھا کہ یہ دور جدید کا قرآن ہے۔ اب انسان کو بائبل یا قرآن کی ضرورت نہیں، اب داس کیپٹال انسان کے لیے رہنما کتاب ہے۔ مگر صرف ایک صدی کے اندر اس کا طلسم ٹوٹ گیا۔ حتیٰ کہ اب خود اشتراکی دنیا میں اس کتاب کو دیوانگی کی کتاب کہا جا رہا ہے۔

اس کے برعکس قرآن اپنی اہمیت کو چودہ سو سال سے مسلسل برقرار رکھے ہوئے ہے۔ قرآن اور صاحب قرآن کے خلاف اب تک اس قسم کی کوئی بات ثابت نہ کی جا سکی۔ قرآن آج بھی "کتاب لاریب" بنا ہوا ہے۔ یہ قرآن کی ابدی صداقت کا ایک ناقابل انکار ثبوت ہے۔

انسانی کتابوں کا حال یہ ہے کہ وہ "تیسرے صفحہ" تک پہنچتے ہی اپنی غلطی کو واضح کر دیتی ہیں۔ اس کے برعکس قرآن اپنے "آخری صفحہ" تک ایک بے خطا کتاب ہے۔ یہ علمی واقعہ اس بات کے ثبوت کے لیے کافی ہے کہ قرآن خدا کی کتاب ہے نہ کہ کوئی انسانی کتاب۔

داعی کا اخلاق

ایک دکاندار ہے ۔ اس کے یہاں ایک گاہک آتا ہے ۔ اس گاہک کو ۵۰ ہزار روپیہ کا مال خریدنا ہے ۔ بات چیت کے دوران گاہک کی زبان سے کوئی کڑوا بول نکل جاتا ہے ۔ اس پر دکاندار کو غصہ آجاتا ہے ۔ وہ بھی جواب میں کڑوی بات بول دیتا ہے ۔ گاہک بگڑ جاتا ہے ۔ وہ وہاں سے اٹھ کر چلا جاتا ہے ، اور دوسری دکان سے خریداری کا معاملہ کرتا ہے ۔

اب یہ دکاندار اگر واقعی دکاندار ہے تو وہ اپنے آپ کو ملامت کرے گا ۔ وہ سوچے گا کہ میں کیوں غصہ ہو گیا ۔ مجھے چاہیے تھا کہ میں اس کی بات کو برداشت کر لیتا ۔ اس کے کڑوے بول کو نظر انداز کرتے ہوئے اس سے میٹھا بول بولتا ۔ اگر میں ایسا کرتا تو ایک قیمتی گاہک میرے ہاتھ سے نہ نکلتا ۔ خواہ مخواہ میں نے آئے ہوئے گاہک کو کھو دیا ۔

اس کے برعکس اگر دکاندار کے اندر " دادا " والا مزاج ہے تو وہ اپنے آپ کو بھول کر صرف گاہک کو برا بتائے گا ۔ وہ کہے گا کہ یہ شخص خریداری کرنے آیا تھا یا میرے اوپر ڈکٹیٹری کرنے آیا تھا ۔ میں کیوں کسی سے دبوں ، کیا میں کسی کا غلام ہوں ۔ مجھے ایسے گاہکوں کی کوئی پروا نہیں ۔ ان کو آنا ہے تو آئیں اور نہیں آنا ہے تو نہ آئیں ـــــــــ اس مثال میں پہلا دکان دار سچا دکاندار ہے ، اور دوسرا دکاندار جھوٹا دکاندار ۔

دعوت کے عمل کو قرآن میں تجارت (الصف ۱۰) سے تشبیہ دی گئی ہے ۔ تاجر ہمیشہ ذمہ داری کو خود قبول کرتا ہے ، اس کے بغیر وہ دوسروں کو اپنا گاہک نہیں بنا سکتا ۔ اسی طرح خدا کا داعی ایسا کرتا ہے کہ وہ فریق ثانی کی زیادتیوں کو نظر انداز کر کے یک طرفہ طور پر اس کے ساتھ حُسن اخلاق کا معاملہ کرتا ہے ، کیوں کہ اس کے بغیر وہ دوسروں کو اپنا مدعو نہیں بنا سکتا ۔

ایک تاجر اپنی دنیا کے فائدہ کے لیے جو کچھ کرتا ہے ، وہی ایک داعی اپنی آخرت کے فائدہ کے لیے کرتا ہے ۔ اس اعلیٰ کردار کے بغیر نہ کوئی تاجر تاجر بن سکتا ، اور نہ کوئی داعی داعی ۔

تاجرانہ کردار کے بغیر تجارت نہیں ، اسی طرح داعیانہ کردار کے بغیر دعوت نہیں ۔

ناقابل تسخیر طاقت

ابن خلدون (۱۳۳۲-۱۴۰۶ء) کی زندگی کا ایک حصہ شام میں گزرا۔ ۱۴۰۰ء میں جب کہ تیمور نے وحشی تاتاری قبائل کے ساتھ دمشق کا محاصرہ کر رکھا تھا، ابن خلدون اس وقت دمشق ہی میں تھا۔ محاصرہ کے دوران تیمور اور دمشق کے باشندوں میں بات چیت شروع ہوئی۔ اس وقت تیمور نے ابن خلدون سے ملاقات کی خواہش ظاہر کی جو تاریخ داں کی حیثیت سے کافی شہرت حاصل کر چکا تھا۔ دمشق کے باشندوں نے یہ سمجھا کہ تیمور صلح پر آمادہ ہے۔ چنانچہ ابن خلدون کو رسیوں میں باندھ کر شہر پناہ کی دیوار سے باہر کی طرف لٹکایا گیا۔ اس طرح وہ تیمور کے کیمپ میں پہونچا۔ ابن خلدون سات ہفتہ تک تیمور کے کیمپ میں رہا۔ تیمور نے ابن خلدون کی کافی عزت کی۔ اس نے ابن خلدون کی خواہش کے مطابق اس کے لیے بحفاظت مصر جانے کا انتظام کر دیا۔ وغیرہ۔

تاہم اس عزت افزائی کے پیچھے تیمور کا خود اپنا مفاد تھا۔ بظاہر مزید فتوحات کا خواب دیکھتے ہوئے، تیمور نے ابن خلدون سے شمالی افریقہ کا تفصیلی نقشہ دریافت کیا۔ اس موضوع پر اس نے نہ صرف ابن خلدون کی گفت گو سنی، بلکہ اس سے ایک جامع تحریری رپورٹ بھی حاصل کی:

Probably dreaming of further conquests, Timur asked for a detailed description of North Africa and got not only a short lecture on that subject, but also an extensive written report. (9/149)

تیمور اگرچہ اہل دمشق کے لیے اتنا سفاک تھا کہ صلح کی پیش کش کے باوجود اس نے دمشق کو تباہ کر دیا اور وہاں کی عظیم مسجد کو نذر آتش کر دیا۔ مگر شخصی سطح پر اس نے ابن خلدون کی پوری قدردانی کی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ابن خلدون نے اپنے ممتاز جغرافی اور تاریخی علم کی بنا پر یہ ثابت کیا تھا کہ وہ تیمور کے لیے نہایت مفید رہنما بن سکتا ہے۔

آدمی اگر اپنی افادیت ثابت کر دے تو وہ ہر ایک کی نظر میں محترم بن جاتا ہے، حتی کہ سفاک دشمن کی نظر میں بھی۔ افادیت اور نفع بخشی ایسی چیز ہے جو خوں خوار لوگوں کو بھی مہربان بنا دے، جو بادشاہوں کو بھی آدمی کے سامنے جھکنے پر مجبور کر دے۔

اخلاق رسول

اسلام کی ابتدائی تاریخ میں ایک غزوہ وہ ہے جس کو ذات الرقاع کہا جاتا ہے۔ یہ جمادی الاولی ۴ھ میں پیش آیا، اس غزوہ کے واقعات میں سے ایک واقعہ یہ ہے کہ سفر کے دوران رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مقام پر آرام فرما رہے تھے۔ آپ کی تلوار درخت کی شاخ سے لٹکی ہوئی تھی۔

اس وقت آپ تنہا تھے۔ ایک مشرک غورث بن الحارث نے آپ کو اس حالت میں دیکھ لیا۔ اس نے اپنے ساتھیوں سے فاتحانہ انداز میں کہا کہ کیا میں تمہارے لیے محمد کو قتل نہ کردوں (الا اقتل لکم محمداً) انھوں نے کہاں ہاں (قالوا بلی) اس کے بعد وہ خاموشی سے وہاں پہونچا جہاں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم تنہا لیٹے ہوئے تھے۔ اس نے درخت سے تلوار اتاری اور ہاتھ میں ننگی تلوار لے کر آپ کے پاس کھڑا ہوگیا۔

اس نے کہا کہ اے محمد، اب کون تم کو مجھ سے بچا سکتا ہے (من یمنعک منی یا محمد) آپ نے فرمایا اللہ۔ آپ کی زبان سے پر اعتماد لہجہ میں "اللہ" کا نام سن کر مشرک پر ہیبت طاری ہوگئی۔ اس نے تلوار رکھ دی۔ اب آپ نے وہ تلوار اپنے ہاتھ میں لے لی اور اس سے کہا کہ بتاؤ، اب تم کو کون میرے ہاتھ سے بچائے گا۔ اس نے کہا کہ آپ بہتر صاحب تلوار بنیں (کن خیر آخذ) اس کے بعد آپ نے اس کو چھوڑ دیا اور کہا کہ جاؤ میں نے تم کو معاف کیا۔

اس واقعہ کے بعد وہ مشرک اپنے قبیلہ میں واپس چلا گیا۔ وہی شخص جو اپنے قبیلہ سے یہ کہہ کر گیا تھا کہ میں محمد کو قتل کرنے جا رہا ہوں، اب ان سے یہ کہنے لگا کہ میں ایک ایسے آدمی کے پاس سے آیا ہوں جو تمام انسانوں میں سب سے بہتر انسان ہے (جئتکم من عند خیر الناس) سیرۃ ابن کثیر ۳/۱۶۴

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اگر مذکورہ مشرک کی گستاخی اور اس کے جرم پر اس کو قتل کر دیتے تو اس کے قبیلہ میں یہ خبر پہونچتی کہ محمد نے ہمارے آدمی کو قتل کر دیا۔ اس خبر سے قبیلہ والوں میں انتقامی احساس جاگتا۔ مگر اب قبیلہ والوں میں یہ خبر پہونچی کہ محمد بہترین اخلاق کے آدمی ہیں۔ انھوں نے مجرم پر قابو پانے کے باوجود اس کو معاف کر دیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے اندر اخلاقی احساس جاگ اٹھا۔ پہلے مذکورہ شخص (غورث بن الحارث) نے اسلام قبول کیا اور اس کے بعد اس کا پورا قبیلہ اسلام میں داخل ہوگیا۔ ایک روش کی صورت میں وہاں انتقام کی ہوائیں چلتیں، دوسری روش کی صورت میں وہاں دین رحمت کی ہوائیں چل پڑیں۔

انسان کی بے کسی

۱۲ اگست ۱۹۸۵ کو جاپان میں ایک ہولناک ہوائی حادثہ ہوا۔ ایک بڑا جہاز (۷۴۷) جو ٹوکیو سے اوساکا جا رہا تھا وہ راستہ میں پہاڑ سے ٹکرا کر برباد ہوگیا۔ اس کے مسافروں میں صرف چند آدمی بچے۔ باقی ۵۱۹ مسافر فوراً ہلاک ہوگیے۔

اس حادثہ سے متعلق جو مختلف تفصیلات اخباروں میں آئی ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ ایک جاپانی خاتون مسز ماریکو شرائی (Mrs Mariko Shirai) بھی انھیں ہلاک ہونے والوں میں سے تھیں۔ ان کی عمر ۲۶ سال تھی۔ جہاز کے برباد شدہ سامانوں میں سے ایک ٹائم ٹیبل کے اوراق تھے جو بعد کو دستیاب ہوئے ہیں۔ یہ ٹائم ٹیبل اس وقت مذکورہ خاتون کے ہاتھ میں تھا۔ اس وقت مذکورہ خاتون نے اس ٹائم ٹیبل کے حاشیہ پر چند الفاظ لکھے جو محفوظ حالت میں پائے گیے ہیں۔ وہ الفاظ یہ تھے:

Help me, horror, horror, horror.

میری مدد کرو، دہشت، دہشت، دہشت (ٹائمس آف انڈیا ۲۶ اگست ۱۹۸۵)

قرآن میں ہے کہ انسان کو ضعیف اور کمزور پیدا کیا گیا ہے (النساء ۲۸) عام حالات میں انسان اپنے ضعف کو بھولا رہتا ہے۔ حتی کہ وہ سرکشی کرنے لگتا ہے۔ مگر جب کوئی نازک لمحہ آتا ہے تو اس کو محسوس ہوتا ہے کہ میں بالکل بے بس ہوں۔ میں اپنی ذاتی بنیاد پر اس دنیا میں کھڑا نہیں ہو سکتا۔ اسی قسم کا ایک نازک لمحہ تھا جو مذکورہ جاپانی خاتون پر گزرا۔

اس طرح کے لمحات آدمی پر کبھی کبھی ڈالے جاتے ہیں تاکہ وہ اس دنیا میں اپنی حیثیت کو سمجھے۔ تاکہ وہ حقیقت پسندی کا طریقہ اختیار کرتے ہوئے تواضع کی روش پر قائم ہو جائے۔ مگر انسان کا یہ حال ہے کہ جب کوئی نازک لمحہ آتا ہے، اس وقت تو وہ وقتی طور پر متواضع بن جاتا ہے۔ مگر جیسے ہی موقع ختم ہوتا ہے وہ دوبارہ سرکش بن کر کھڑا ہو جاتا ہے۔

اس دنیا میں اصلاح کی توفیق اس کو ملتی ہے جو جزئی واقعہ سے کلی اثر قبول کرے۔ جو وقتی تجربہ کو اپنی پوری زندگی کا تجربہ بنا لے۔ جو ایک دن کے سبق آموز واقعہ کو اس طرح پکڑے کہ وہ اس کی ساری عمر کے لیے سبق اور نصیحت کا ذریعہ بن جائے۔

نفع بخشی کی طاقت

ہندستان ٹائمس (۲۰ جولائی ۱۹۹۰) کے نمائندہ مقیم ماسکو مسٹر بھابنی سین گپتا نے سوویت یونین کے بارہ میں ایک رپورٹ شائع کی ہے، اس کا عنوان ہے ——— ایک نیا روس ابھر رہا ہے :

A new USSR is emerging

اس رپورٹ میں سوویت روس میں ہونے والی تبدیلیوں کا ذکر کرتے ہوئے وہ آخر میں لکھتے ہیں کہ بین اقوامی معاملات کے ایک ممتاز روسی ماہر نے ماسکو میں مجھے بتایا کہ سوویت روس کا پہلا محبوب امریکہ نہیں ہو سکتا۔ اس کا پہلا محبوب متحدہ یورپ ہوگا۔ اور پھر جاپان، اس کے بعد امریکہ اور چین۔ میں نے تعجب کے ساتھ پوچھا، اور انڈیا کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے۔ روسی عالم نے پُر اطمینان لہجہ میں کہا کہ انڈیا کا معاملہ ایک مخصوص معاملہ ہے۔ انڈیا ہمارا پہلا یا دوسرا یا تیسرا محبوب نہیں۔ انڈیا ہمارا دائمی محبوب ہے :

An outstanding Soviet specialist in international affairs told me, "The United States will not be the first love of the U.S.S.R. The first love will be united Europe. And then Japan, the U.S. and Canada." "What about India?" I asked with mixture of surprise and amusement. "India is special", the academician replied placidly. "India is not our first or second or third love. It is our love-for-ever" (p.1).

پچھلے چالیس سال سے ہماری حکومت ہم کو یقین دلا رہی تھی کہ سوویت روس ہمارا سب سے بڑا دوست ہے۔ مگر روسی عالم کا مذکورہ جواب بتاتا ہے کہ اب سوویت روس نے انڈیا کو رسمی تعلق کے خانہ میں ڈال دیا ہے۔ اس فرق کی وجہ بالکل سادہ ہے۔ پہلے روس کو ہماری ضرورت تھی، اب روس کو ہماری ضرورت نہیں رہی۔ سرد جنگ کی سیاست میں روس ہم کو امریکہ کا مقابلہ کرنے کے لیے استعمال کرتا تھا۔ اب روس اور امریکہ میں صلح ہو جانے کے بعد یہ حریفانہ سیاست مر گئی، اس لیے روس کی نظر میں ہماری اہمیت بھی ختم ہو گئی۔ اب روس کے لیے اہمیت صرف ان ملکوں کی ہے جو جدید اقتصادی تنظیم میں اس کے مددگار بن سکیں۔ اور یہاں یورپ اور جاپان اس کے لیے مددگار ہیں نہ کہ انڈیا۔

کسی فرد یا قوم کی اہمیت کا راز یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو دوسروں کی ضرورت بنا دے۔ اس کے سوا دوسری ہر بنیاد فرضی ہے جو ہوا کے پہلے ہی جھونکے میں زمیں بوس ہو جاتی ہے۔

ہندستان ٹائمس (۲۸ دسمبر ۱۹۹۰) نے ایک ہندستانی صحافی مقیم واشنگٹن مسٹر این سی مِن کی رپورٹ چھاپی ہے۔ اس میں وہ لکھتے ہیں کہ عام طور پر لوگوں کو یہ بات معلوم نہیں ہے کہ جب روسی صدر میخائل گورباچیف نے راجیو گاندھی کی حکومت کے زمانہ میں انڈیا کا دورہ کیا۔ اس وقت سابق وزیر اعظم راجیو گاندھی نے انڈیا، چین اور سوویت یونین کے درمیان قریبی تعاون کی تجویز پیش کی تھی تاکہ امریکی دیو (اور شاید یورپ کے ابھرتے ہوئے اتحاد) کا مقابلہ کرنے کے لیے ایک دوستانہ دھڑا قائم کیا جا سکے۔ صدر گورباچیف نے بے رحمانہ صاف گوئی کے ساتھ اس کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ اس وقت ہمیں سب سے زیادہ جس چیز کی ضرورت ہے، وہ نئی ٹکنالوجی ہے، اور نئی ٹکنالوجی ہم کو نہ چین دے سکتا ہے اور نہ انڈیا:

It is not generally known that when Soviet President Mikhail Gorbachev visited India, then Prime Minister Rajiv Gandhi had suggested closer cooperation among India, China and the Soviet Union as a friendly counterpoise to the US giant (and perhaps to the emerging European conglomerate). President Gorbachev responded with brutal frankness that what we need desperately is new technology, and neither China nor India can give us that (p.13).

پچھلے چالیس سال سے روس نے "سرمایہ دار مغرب" کو اپنا دشمن سمجھ رکھا تھا۔ اور "سوشلسٹ انڈیا" کو اپنا دوست بنائے ہوئے تھا۔ مگر لمبے تجربے کے بعد اس کو معلوم ہوا کہ انڈیا سے اس کو کوئی فائدہ نہیں، جب کہ سرمایہ دار مغرب اس کی ترقی میں نہایت اہم مددگار بن سکتا ہے۔ اس نے انڈیا کو چھوڑ دیا اور اختلاف اور شکایت کو نظر انداز کرتے ہوئے سرمایہ دار مغرب سے دوستی قائم کر لی۔

"سرمایہ دار ملک" نے اپنی نفع بخشی کی صلاحیت کے ذریعہ اپنے سب سے بڑے دشمن کو جیت لیا۔ اور سوشلسٹ انڈیا کی غیر نفع بخشی کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس کو اپنے سب سے بڑے دوست سے محروم ہو جانا پڑا۔

یہی موجودہ دنیا میں کامیابی کا اصل راز ہے۔ اس دنیا میں کامیابی نفع بخشی کی بنیاد پر ملتی ہے نہ کہ الفاظ کا گنبد کھڑا کرنے سے۔

الّو کا سبق

الّو کو عام طور پر نحوست اور بیوقوفی کی علامت سمجھا جاتا ہے۔ بہت سے لوگ اس کو بیکار سمجھ کر مار ڈالتے ہیں۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ خدا کی دنیا میں کوئی چیز بے فائدہ نہیں۔ الّو ہماری زراعت اور فصلوں کے لیے بے حد مفید ہے۔ کیوں کہ وہ فصل کو نقصان پہونچانے والے کیڑوں کو شکار کر کے انھیں کھا جاتا ہے۔

الّو کی غذا نقصان رساں کیڑے اور موذی جانور ہیں۔ اس اعتبار سے الّو ان بہت سے انسانوں سے اچھا ہے جو محض اپنی حرص اور اپنے اقتدار کے لیے لوگوں کو ہلاک کرتے ہیں۔ جو کارآمد چیزوں کو برباد کر کے فتح حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

الّو کی ۱۳۰ قسمیں معلوم کی گئی ہیں۔ وہ چار اونس سے لے کر چھ پونڈ وزن تک کے ہوتے ہیں۔ اسی اعتبار سے ان کی غذا کی مقدار بھی مختلف ہے۔ چھوٹے الّو تقریباً سات اونس خوراک کھاتے ہیں۔ اور بڑے الّو دو پونڈ سے زیادہ تک کھا جاتے ہیں۔ الّو عام طور پر رات کے وقت شکار کرتے ہیں۔ وہ بڑے کیڑے، چوہے، چھپکلیاں، سانپ، چھوٹے خرگوش وغیرہ کو پکڑتے ہیں۔ یہ تمام چیزیں وہ ہیں جو زراعت کو یا انسان کو نقصان پہونچانے والی ہیں۔

الّو کے جسم کی بناوٹ شکار کے کام کے لیے نہایت موزوں ہے۔ مثلاً ایک ماہر طیور کے لفظوں میں، وہ رات کے وقت انتہائی خاموش پرواز (Silent flight) کی صلاحیت رکھتا ہے۔ وہ رات کی تاریکی میں کیڑوں یا جانوروں کی صرف آواز سے ان کے مقام کا پتہ لگا لیتا ہے اور تیزی اور خاموشی سے وہاں پہونچ کر اچانک ان کو پکڑ کر نگل جاتا ہے (ہندستان ٹائمس ۹ ستمبر ۱۹۸۹)

خدا کی دنیا میں کوئی چیز بے فائدہ نہیں۔ یہاں کوئی چیز حکمت سے خالی نہیں۔ خدا کی دنیا میں الّو جیسی چیز بھی اس کا ایک مفید جزء ہے۔ ایسی حالت میں جو انسان دنیا میں اس طرح رہیں کہ انھوں نے دوسروں کے لیے اپنی افادیت کھو دی ہو۔ جو دنیا کے مجموعی نظام میں ایک فائدہ بخش عنصر کی حیثیت نہ رکھتے ہوں۔ جو انسانی سماج میں مفید حصہ بننے کے بجائے مضر حصہ بن گیے ہوں۔ وہ بلاشبہ خدا کی نظر میں الّو سے بھی زیادہ بے قیمت ہیں۔ ایسے لوگوں کی ضرورت نہ خدا کو ہے اور نہ عام انسانیت کو۔

مشتعل نہ کیجئے

ہندستان میں سب سے زیادہ شیر گیر کے جنگل میں پائے جاتے ہیں۔ یہاں ان کے لیے بہت بڑا کھلا پارک بنایا گیا ہے جس کو (Gir forest sanctuary) کہا جاتا ہے۔ بیسویں صدی کے آغاز میں یہاں ۲۰ سے بھی کم تعداد میں شیر پائے جاتے تھے۔ مگر مئی ۱۹۹۰ کی گنتی کے مطابق، اب وہاں ۲۸۰ شیر ہیں۔ ان شیروں کی وجہ سے انسانی زندگی کو خطرہ پیدا ہو گیا ہے۔ ٹائمس آف انڈیا (۲۲ اگست ۱۹۹۰) کی ایک رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ پچھلے دو برسوں میں ان شیروں نے علاقہ کے ۱۶ آدمی مار ڈالے اور ۱۴۰ آدمیوں کو زخمی کیا۔

ان حادثات کے بعد مسٹر روی چیلم کی قیادت میں ایک ٹیم کو مقرر کیا گیا تاکہ وہ صورت حال کے بارہ میں تحقیق کرے۔ انھوں نے تحقیق کے بعد یہ بتایا ہے کہ شیروں نے اگرچہ بہت سے انسانوں کو نقصان پہنچایا اور ان پر حملے کیے۔ مگر یہ حملے محض شیروں کی درندگی کی بنا پر نہ تھے۔ ریسرچ کرنے والوں نے انسان کے اوپر شیر کے اکثر حملوں کا سبب اشتعال انگیزی کو قرار دیا ہے :

The researchers have attributed most of the lion attacks on human to provocations of the animals.

شیر ایک خوں خوار درندہ ہے۔ وہ انسان کے لیے سب سے بڑا خطرہ ہے۔ مگر شیر اپنی ساری درندگی کے باوجود اپنی فطرت کے ماتحت رہتا ہے۔ اور اس کی فطرت یہ ہے کہ وہ اشتعال انگیزی کے بغیر کسی انسان کے اوپر حملہ نہ کرے۔

یہ قدرت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے جو یہ بتاتی ہے کہ "درندہ انسانوں" کے ظلم سے کس طرح بچا جائے۔ درندہ انسان کے ظلم سے بچنے کی واحد یقینی تدبیر یہ ہے کہ اس کو اس کی فطرت کی ماتحتی میں رہنے دیا جائے۔ اشتعال دلانے سے پہلے ہر انسان اپنی فطرت کے زیر حکم رہتا ہے۔ اور اشتعال دلانے کے بعد ہر آدمی اپنی فطرت کے حکم سے باہر آجاتا ہے۔ گویا فطرت خود ہر آدمی کو ظلم و فساد سے روکے ہوئے ہے۔ ایسی حالت میں آپ کو جوابی کارروائی کرنے کی کیا ضرورت۔

مشتعل ہونے سے پہلے شیر ایک بے ضرر حیوان ہے۔ مشتعل ہونے کے بعد شیر ایک مردم خور حیوان بن جاتا ہے۔ آپ شیر کو مشتعل نہ کیجئے، اور پھر آپ اس کے نقصان سے محفوظ رہیں گے۔

منفی بنیاد

جمال عبد الناصر (۱۹۷۰- ۱۹۱۸) شاہ فاروق کے زمانہ میں مصر کی فوج میں ایک جونیر افسر تھے۔ ۱۹۴۸ میں مصر اور اسرائیل کے درمیان لڑائی ہوئی۔ اس لڑائی میں جمال عبد الناصر نے اپنے دستہ کے ساتھ غیر معمولی بہادری دکھائی۔ تاہم اسرائیل جیت گیا اور مصر کو ذلت آمیز شکست ہوئی۔

اس جنگ کے بعد جمال عبد الناصر کے دل میں سخت انتقامی جذبہ جاگ اٹھا۔ ایک طرف مصر کے شاہ فاروق کے خلاف، کیوں کہ وہ ان کی نظر میں غدار تھا، دوسری طرف اسرائیل کے خلاف، کیونکہ وہ انھیں ظالم دکھائی دے رہا تھا۔ انھوں نے فیصلہ کیا کہ میں دونوں کو مٹائے بغیر چین نہیں لوں گا۔

پہلے انھوں نے مصر کی فوج کے کچھ افسروں کو ساتھ لے کر ان کی ایک خفیہ تنظیم بنائی۔ ۲۳ جولائی ۱۹۵۲ کو جمال عبد الناصر نے اِن مصری افسروں کی مدد سے شاہ فاروق کے خلاف فوجی انقلاب کیا۔ شاہ فاروق جلاوطن ہو کر روم چلے گئے جہاں ۱۸ مارچ ۱۹۶۵ء کو ان کا انتقال ہوگیا۔

جمال عبد الناصر کے انتقامی جذبات کا دوسرا نشانہ اسرائیل تھا۔ انھوں نے مصر کے اقتدار پر قبضہ کرنے کے بعد روس سے ہتھیار حاصل کیے اور دو بار اسرائیل سے جنگ کی۔ ۱۹۵۶ میں اور ۱۹۶۷ء میں۔ مگر دونوں بار انھیں مکمل شکست ہوئی۔ اسرائیل نہ صرف جیتا بلکہ اس نے اپنے مقبوضہ رقبہ کو پانچ گنا بڑھا لیا۔

جمال عبد الناصر منفی اور انتقامی جذبہ کے تحت اٹھے تھے۔ چنانچہ یہ جذبہ ان کے اوپر اتنا زیادہ چھایا کہ ان کی ساری کارروائیاں اسی کے رنگ میں رنگ گئیں۔ انھوں نے ۱۹۶۲ میں یمن میں اپنی فوجیں داخل کر دیں۔ انھوں نے مصر کی اخوانی جماعت کو کچلنے کی کوشش کی۔ انھوں نے خود اپنی فوج کے بہت سے افسروں کو ہلاک کر دیا۔ وہ اسی قسم کی منفی کارروائیوں میں مشغول رہے۔ یہاں تک کہ ۲۸ ستمبر ۱۹۷۰ کو ان پر ہارٹ اٹیک ہوا اور اسی میں ان کا انتقال ہوگیا۔

جو لوگ منفی سوچ اور انتقامی جذبات سے متاثر ہو کر اٹھیں وہ آخر تک اسی میں مبتلا رہتے ہیں۔ ایسے لوگوں سے کسی مثبت پروگرام یا کسی تعمیری عمل کی امید نہیں کی جا سکتی۔ اور بدقسمتی سے موجودہ زمانہ میں اٹھنے والے تمام مسلم رہنماؤں کا معاملہ یہی ہے۔ وہ منفی فکر کے تحت اٹھے، اس لیے وہ کوئی مثبت کارنامہ انجام نہ دے سکے۔

چھوٹا واقعہ بڑا سبق

مولانا سید امیر علی (۱۸۵۸ - ۱۹۲۱) ملیح آباد میں پیدا ہوئے اور لکھنؤ میں وفات پائی۔ انھوں نے مڈل اسکول تک تعلیم حاصل کی تھی کہ ان کی تعلیم چھوٹ گئی۔ غربت کی وجہ سے انھیں ملازمت تلاش کرنی پڑی۔ بہرائچ کے ایک سب پوسٹ آفس میں ان کو پوسٹ ماسٹر کی جگہ مل گئی۔ ملازمت کی ضرورت کے تحت انھوں نے معمولی انگریزی سیکھ لی اور کام کرنے لگے۔

گھریلو تربیت کے تحت وہ نماز کے پابند تھے۔ ایک دن وہ جمعہ کی نماز کے لیے مسجد گیے۔ اسی وقت سرکاری افسر ڈاک خانہ کے معائنہ کے لیے آگیا۔ پوسٹ ماسٹر کو غیر حاضر پاکر وہ بہت غصہ ہوا۔ سید امیر علی صاحب کو مسجد میں اطلاع پہونچی تو وہ وضو کر رہے تھے۔ انھوں نے اس کا کوئی اثر نہیں لیا۔ اطمینان کے ساتھ نماز پڑھ کر واپس آئے۔ افسر مذکور نے پوچھ گچھ کی تو وہ چپ رہے۔ نہ کوئی جواب دیا اور نہ کسی قسم کی معذرت کی۔ خاموشی کے ساتھ ایک کاغذ لیا۔ اس پر اپنا استعفا لکھا اور افسر کو دے کر گھر چلے گیے۔

سید امیر علی صاحب اس وقت تک صرف اردو اور کچھ انگریزی جانتے تھے۔ وہ عربی اور فارسی سے ناواقف تھے۔ استعفاء کے بعد انھیں ایک جھٹکا لگا۔ انھوں نے سوچا کہ جس دین کی خاطر میں نے ملازمت سے استعفاء دیا ہے، اس کی بابت براہ راست میں کچھ بھی نہیں جانتا۔ حتیٰ کہ اس سلسلہ میں کوئی شخص سوال کرے تو میں اس کا جواب بھی نہیں دے سکتا۔ میں نماز ضرور پڑھتا ہوں مگر نماز کا مطلب کیا ہے، اس سے میں بے خبر ہوں۔ قرآن و حدیث سے مجھے کوئی واقفیت نہیں۔

اب ان کے اندر ایک نیا جذبہ جاگ اٹھا۔ انھوں نے عربی اور فارسی پڑھنے کا فیصلہ کیا۔ عربی زبان میں انھوں نے اتنی مہارت پیدا کی کہ ماہر علماء میں شمار کیے جانے لگے۔ دار العلوم ندوۃ العلماء میں وہ شیخ الحدیث مقرر ہوئے۔ مدرسہ عالیہ کلکتہ میں صدر مدرس رہے۔ منشی نول کشور (وفات ۱۸۹۵) کے مطبع سے وابستہ ہو کر بڑی بڑی عربی کتابوں کے اردو ترجمے کیے، مثلاً صحیح بخاری، فتاویٰ عالمگیری، وغیرہ (قومی آواز ۴ فروری ۱۹۹۰) آدمی کے اندر اگر زندگی ہو تو ایک معمولی واقعہ اس کے اندر حرکت پیدا کرنے کا سبب بن جاتا ہے۔ وہ اس قابل ہو جاتا ہے کہ عالی شان کارنامے انجام دے سکے۔ اور جس آدمی کے اندر زندگی نہ ہو اس کے ساتھ بڑے بڑے واقعات پیش آئیں گے مگر وہ اس طرح پڑا رہے گا جیسے کہ اس نے نہ کچھ جانا اور نہ کوئی سبق لیا۔

غلطی میری نہیں

اڈولف ہٹلر (۱۹۴۵ - ۱۸۸۹) کی موت کے بعد سے اب تک اس کے بارہ میں جو کتابیں لکھی گئی ہیں ان کی تعداد صرف انگریزی زبان میں تقریباً ۵۵ ہزار ہے۔ اس میں تازہ اضافہ برلن کا بنکر (The Berlin Bunker) ہے جو لندن سے چھپی ہے۔ ہٹلر کے آخری ۱۰۵ دن بنکر (فوجی تہ خانہ) میں گزرے تھے۔ مصنف نے اس زمانہ کے ہٹلر کے ساتھیوں سے معلومات حاصل کرکے یہ کتاب مرتب کی ہے۔ ۱۶ جنوری ۱۹۴۵ کو جب ایک ہزار امریکی بمباروں نے برلن کو تہس نہس کردیا تو ہٹلر اپنے عملہ کے ساتھ خاموشی سے بنکر کے اندر چلا گیا۔ اس زمانہ میں اس کا اتنا برا حال تھا کہ ۵۵ سال کا ہو کر وہ ۷۰ سال کا دکھائی دینے لگا۔ اس کو ہر وقت یہ اندیشہ لگا رہتا تھا کہ روس کی بڑھتی ہوئی فوجیں پہنچ کر اس کو پکڑ لیں گی۔ ان حالات میں ایک ایک شخص اس کا ساتھ چھوڑتا گیا۔ یہاں تک آخر میں صرف اس کا کتا اس کے ساتھ رہ گیا۔

ہٹلر کی حکومت چونکہ شروع سے آخر تک تشدد پر قائم تھی اس لیے ہٹلر کو ہر وقت اپنی موت کا شبہ لگا رہتا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ ۴۵ - ۱۹۳۹ کے درمیان ہٹلر کے اوپر ۲۵ بار قاتلانہ حملے ہوئے۔ مگر ہر بار وہ بچ جاتا تھا۔ اس کی وجہ اس کا زبردست حفاظتی عملہ نہ تھا۔ بلکہ ہٹلر کا یہ مزاج تھا کہ وہ اکثر بالکل آخر وقت میں اپنا پروگرام بدل دیتا تھا۔ پروفیسر ہاف من کا کہنا ہے کہ ہٹلر بعض اوقات اپنا پروگرام طے کرنے کے لیے سکہ اچھالتا اور اس کو دیکھ کر فیصلہ کرتا۔

تاہم اس کے ساتھیوں کا کہنا ہے کہ آخر وقت تک ہٹلر نے یہ نہ کہا کہ "میں نے غلطی کی"۔ وہ ہمیشہ اپنے جنرلوں اور یہودیوں اور کمیونسٹوں کو ساری باتوں کا الزام دیتا رہا۔ حتیٰ کہ "اپنے عوام" کو بھی۔ مایوسی جب اپنی آخری حد پر پہونچ گئی تو ہٹلر نے سائنائڈ کیپسول کھا کر خودکشی کرلی (۶ جنوری ۱۹۸۰)

دنیا میں کوئی آدمی اپنی غلطی کو نہیں مانتا، حتیٰ کہ ہٹلر جیسا آدمی بھی نہیں جس کو تمام دنیا غلط قرار دے چکی ہو۔ آدمی کو معلوم نہیں کہ ایک وقت آنے والا ہے جب کہ وہ اپنی غلطی ماننے پر مجبور ہوگا۔ حتیٰ کہ اگر وہ اپنی زبان سے نہ کہے کہ میں غلطی پر تھا تو خود اس کے اپنے اعضاء اس کے خلاف گواہی دیں گے اور وہ اس پر قادر نہ ہوگا کہ ان کو روک سکے (۴۱/۲۱)

حد سے باہر

اخبار قومی آواز (۲۴ اکتوبر ۱۹۹۰) میں ایک صاحب کا مضمون "بابری مسجد ۔ رام جنم بھومی تنازعہ" کے بارہ میں چھپا ہے ۔ اس کا عنوان ہے ——— "ضرورت ہے رام چرن داس اور امیر علی کی" اس مضمون میں اجودھیا کے مسئلہ کی سنگینی کا ذکر کرتے ہوئے کہا گیا ہے :

"بات ۱۸۵۰ کی ہے ۔ (اس وقت بھی بابری مسجد اور رام جنم کے تنازعہ نے ہندوؤں اور مسلمانوں میں کشیدگی پیدا کر دی تھی) فیض آباد ضلع گزیٹیر سے پتہ چلتا ہے کہ اجودھیا کے مقامی مسلم رہنما امیر علی اور (مقامی) ہندو رہنما بابا رام چرن داس نے رام جنم بھومی اور بابری مسجد کے تنازعہ کا حل تلاش کرنے کی غرض سے دونوں فریقوں کی طرف سے معاہدہ کیا کہ جنم بھومی کی مخصوص متنازعہ آراضی ہندوؤں کو سونپ دی جائے ۔ اس کے عوض بابا رام چرن داس نے ہندوؤں کو اس پر آمادہ کیا کہ وہ پوری عمارت پر قابض ہونے کا مطالبہ ہمیشہ کے لیے چھوڑ دیں گے تاکہ مسلمانوں کو مسجد نہ ہٹانا پڑے ۔"

اس مضمون سے بظاہر یہ اندازہ ہوتا ہے کہ آج رام چرن داس اور امیر علی جیسے لوگ موجود نہیں ہیں ۔ اگر ایسے افراد آج ہوتے تو مسئلہ فوراً حل ہو جاتا ۔ مگر یہ بات خلاف واقعہ ہے ۔ حقیقت یہ ہے کہ آج بھی رام چرن داس اور امیر علی جیسے لوگ موجود ہیں اور سیکڑوں کی تعداد میں موجود ہیں ۔ لیکن وہ موثر ثابت نہیں ہو رہے ہیں ۔ ایسی حالت میں اصل سوچنے کی بات یہ ہے کہ ۱۸۵۰ کے رام چرن داس اور امیر علی مسئلہ کو حل کرنے میں کامیاب ہو گئے تھے ، مگر آج کے رام چرن داس اور امیر علی مسئلہ کو حل کرنے میں سراسر ناکام ہو رہے ہیں ، اس کا سبب کیا ہے ۔

اس کا سبب بالکل سادہ ہے ۔ ۱۸۵۰ میں یہ مسئلہ ایک مقامی مسئلہ کی حیثیت رکھتا تھا ۔ وہ اجودھیا کے دو فرقوں کا مسئلہ تھا نہ کہ سارے ملک میں بسنے والی دو قوموں کا مسئلہ ۔ اس وقت بابری مسجد کے نام پر کوئی آل انڈیا یا انٹرنیشنل تنظیم نہیں بنی تھی جو اس کو بڑھا چڑھا کر تمام ہندوؤں اور تمام مسلمانوں کے لیے وقار کا مسئلہ بنا دے ۔

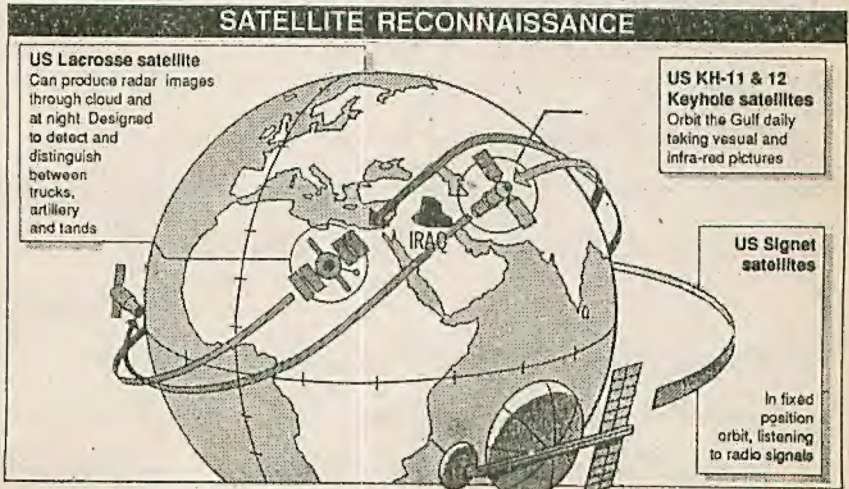
دو قوموں کے درمیان جب کوئی نازک مسئلہ پیدا ہو تو اس کو ہمیشہ مقامی دائرہ میں باقی رکھنا چاہیے ۔ مسئلہ کا مقامی دائرہ میں رہنا اس کا محدود دائرہ میں رہنا ہے ۔ مگر مسئلہ جب قومی اور ملکی سطح پر پھیلا دیا جائے تو اس وقت وہ غیر محدود دائرہ میں چلا جاتا ہے ۔ اور پھر ناممکن ہو جاتا ہے کہ کوئی ہندو یا کوئی مسلمان اس کو حل کر سکے ۔

آسمانی انتظام

ابتدائی دور کی جنگوں میں صرف انسانی آنکھ دیکھنے کا کام کرتی تھی۔ اس کے بعد دوربین سے کام لیا جانے لگا۔ اب ٹکنالوجی کی ترقی نے اس کو ممکن بنا دیا ہے کہ آسمان میں گھومتی ہوئی مشینوں (سٹلائٹ) کے ذریعہ دشمن کے ٹھکانوں کو معلوم کیا جائے اور نہایت صحت کے ساتھ ان کو دور سے نشانہ بنایا جاسکے۔ خلیج کی جنگ اسی قسم کی ایک جنگ ہے۔ اس میں ایسی پیچیدہ ٹکنالوجی استعمال کی گئی جو اس سے پہلے کبھی کسی جنگ میں استعمال نہیں کی گئی تھی۔ اس اعتبار سے اس جنگ میں بہت سے نہایت اہم سبق ملتے ہیں۔ ٹائمس آف انڈیا (۳۱ جنوری ۱۹۹۱) میں خلیج کی جنگ سے متعلق اسی قسم کی ایک نصیحت آموز رپورٹ چھپی ہے۔ اس کا عنوان اخبار نے ان لفظوں میں قائم کیا ہے کہ اتحادی فوجوں کی آنکھ آسمان میں :

Eyes of the Allies in the sky

اس رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ جنوری ۱۹۹۱ میں عراق نے کئی درجن اسکڈ میزائل (Scuds) اسرائیل اور سعودی عرب پر پھینکے۔ مگر ان کی زیادہ تعداد درمیان ہی میں بیکار کر دی گئی۔ وہ نشانہ پر نہ پہنچ سکی۔ اس سے پہلے جو جنگیں ہوتی تھیں ان میں توپ کے گولے یا بم جب دشمن کی طرف پھینکے جاتے تھے تو ان کو راستہ کے درمیان ناکارہ کرنے کا کوئی تصور نہیں تھا۔ پھر موجودہ جنگ میں کیوں کر ایسا ہوا



کہ ایک فریق کے پھینکے ہوئے میزائل کو دوسرے فریق نے راستہ ہی میں ناکارہ کر دیا۔ اس کا جواب خاص طور پر دو امریکی سیاروں میں ہے جو ایک زمینی اسٹیشن سے کنٹرول کئے جا رہے تھے ۔ یہ زمینی اسٹیشن وسط آسٹریلیا میں واقع ہے ۔

اس تدبیر کو ڈیفنس سپورٹ پروگرام کہا جاتا ہے ۔ امریکہ کے یہ جاسوسی سیارے ڈیڑھ سو میل اوپر زمین کے گرد گھوم رہے ہیں ۔ وہ مسلسل عراق کے بارے میں معلومات دیتے رہتے ہیں ، خواہ موسمی حالات جو بھی ہوں ۔ وہ نہ صرف اس وقت عراق کی تصویر لیتے ہیں جب کہ وہ براہ راست عراقی فضا کے اوپر ہوں بلکہ وہ مخصوص نظام کے تحت اس وقت بھی عراق کی تصویر حاصل کر لیتے ہیں جب کہ وہ کنارے کی طرف اڑ رہے ہوں ۔

اس سیارے میں تین میٹر لمبی انفرارڈ دوربین لگی ہوئی ہے ۔ جب اسکڈ میزائل چھوڑا جاتا ہے تو فضا میں اس کی سخت گرمی کے ذریعہ یہ سیارہ فوراً ہی اس کو معلوم کر لیتا ہے ۔ اور عین اسی لمحہ زمین پر لگے ہوئے پیٹریٹ میزائل کو اس کی خبر دے دیتا ہے ۔ اس کے بعد کمپیوٹر فوراً پیٹریٹ میزائل کو نشانہ کی طرف داغ دیتا ہے ۔ میزائل فضا میں پہنچ کر اسکڈ سے ٹکرا کر اس کو عین راستہ میں برباد کر دیتا ہے ۔ یہ سارا کام صرف ایک منٹ کے اندر انجام پاتا ہے ۔ سٹیلائٹ کے ذریعہ جاسوسی کا خاص فائدہ یہ ہے کہ وہ دشمن کی مار کی حد سے پوری طرح محفوظ رہتا ہے ۔ رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ دفاعی سپورٹ کا یہ پورا سیاراتی نظام ۲۴ گھنٹے عراق کا جائزہ لیتا ہے اور اس کی تصویریں بھیجتا رہتا ہے ۔ وہ ہر موسمی حالت میں یکساں طور پر کام کرتا ہے :

These Defence Support Programme satellites provide round-the-clock coverage of Iraq in all weather conditions.

یہ واقعہ تمثیل کے روپ میں یاد دلاتا ہے کہ اسی طرح ایک اور "آسمانی مشاہدہ" ہے جو زیادہ بڑے پیمانہ پر ساری دنیا کی نگرانی کر رہا ہے ۔ وہ دونوں فریقوں کو یکساں طور پر دیکھ رہا ہے ۔ وہ کسی ایک ملک کو نہیں بلکہ تمام ملکوں اور تمام انسانوں کا ہر لمحہ معائنہ کر رہا ہے ۔

یہ وہ برتر مشاہدہ ہے جو خدائی نظام کے تحت قائم ہے ۔ خدائی مشاہدہ کا یہ نظام اس لئے قائم کیا گیا ہے تاکہ وہ ظالم کے ظلم کا توڑ کرے ، تاکہ وہ مجرم کے خلاف بروقت مداخلت کر کے اس کے مفسدانہ

منصوبہ کو ناکام بنائے اور جو شخص حق پر ہے اس کی مدد کر کے اسے کامیاب کر دے۔

جب بھی کوئی شخص کسی کے خلاف برا اقدام کرے تو اس کو جاننا چاہئے کہ اس کے اقدام کا ناکام ہو جانا یقینی ہے۔ اس کے برے اقدام کو خدا کے فرشتے درمیان ہی میں مداخلت کر کے بے اثر کر دیں گے۔ خدا کی دنیا میں کوئی فاسد منصوبہ کبھی اپنی تکمیل تک پہنچنے والا نہیں۔

موجودہ دنیا آزمائش کی دنیا ہے۔ آزمائش کی مصلحت کی بنا پر یہاں ہر شخص کو آزادی حاصل ہے۔ ہر شخص کو اختیار دیا گیا ہے کہ وہ جو چاہے کرے اور جو چاہے نہ کرے۔ اس آزادی کی بنا پر کبھی ایک آدمی دوسرے آدمی کو نقصان پہنچانے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔

مگر یہ آزادی لامحدود نہیں ہے۔ آزادی دینے کے ساتھ خدا لوگوں کی نگرانی بھی کر رہا ہے۔ وہ کسی کو یہ موقع نہیں دیتا کہ وہ اپنی آزادی کو بے قید اور لامحدود انداز میں استعمال کرے۔ ایک حد کے بعد خدا آدمی کا ہاتھ پکڑ لیتا ہے۔ ایک حد کے بعد وہ آدمی کو اس سے روک دیتا ہے کہ وہ اپنی آزادی کو دوسرے کو نقصان پہنچانے کے لئے استعمال کرے۔

خدا کا وعدہ ہے کہ وہ مشکل کے وقت ضرور اپنے بندہ کی مدد کرتا ہے۔ کبھی مشکل پیش آنے کے بعد فوراً اور کبھی مشکل پیش آنے کے کچھ دیر بعد۔ خدا کی یہ مدد کبھی ایک صورت میں آتی ہے اور کبھی دوسری صورت میں۔ اس کی کوئی ایک مقرر اور متعین صورت نہیں۔

بابری مسجد کا مسئلہ

بابری مسجد ۔ رام جنم بھومی کا مسئلہ یقینی طور پر حل ہو سکتا ہے ۔ جس چیز نے اس کو اب تک لاینحل بنا رکھا ہے وہ خود مسئلہ نہیں ہے بلکہ طریق کار ہے ۔ دنیا میں اس سے بھی زیادہ بڑے بڑے مسئلے حل کئے گئے ہیں اور آج بھی حل ہو رہے ہیں ۔ پھر کیا وجہ ہے کہ یہ مسئلہ حل نہ ہو سکے ۔ لیکن جب طریق کار ہی غلط اختیار کیا جائے تو کوئی بھی مسئلہ حل نہیں کیا جا سکتا ۔ خواہ وہ چھوٹا ہو یا بڑا ۔

اس معاملہ میں جو لوگ اب تک براہ راست شریک رہے ہیں ، ان کے پیش نظر بد قسمتی سے لیڈری زیادہ رہی ہے اور مسئلہ کا حل کم ۔ اس لئے وہ اس معاملہ میں سنجیدہ طریق کار اختیار نہ کر سکے ۔

دونوں فریق کی طرف سے اب تک جس طریقے کا مظاہرہ کیا گیا ہے وہ صرف ایک ہے ۔ یعنی دعویٰ اور جواب دعویٰ ۔ پریس یا پلیٹ فارم کے ذریعہ اب تک اس معاملہ میں دونوں فریق کے ذریعہ جو کیا گیا ہے وہ زیادہ تر یہی ہے ۔ مگر اس طرح کے نازک مسئلہ کے حل کے لئے یہ طریقہ بنیادی طور پر غیر مفید ہے ۔ اس طرح کے نزاعات میں اگر صرف دعویٰ اور مطالبہ کا طریقہ اختیار کیا جائے تو ہمیشہ ایسا ہو گا کہ ہر فریق دوسرے فریق کے جواب میں اپنے موافق کچھ الفاظ بول دے گا ، اور پھر مسئلہ وہیں کا وہیں پڑا رہے گا ۔

اس معاملہ میں اصلی اور پہلا کام یہ ہے کہ دونوں فریق کسی تیسرے فریق (تھرڈ پارٹی) کو تلاش کریں جس کا فیصلہ انھیں منظور ہو سکے ۔ وہ پیشگی طور پر راضی ہو جائیں کہ یہ تیسرا فریق جو فیصلہ دے گا اسے دونوں فریق بلا بحث مان لیں گے ۔

اس طرح کے کیس میں عدالت یہ تھرڈ پارٹی نہیں بن سکتی ۔ اِلّا یہ کہ عدالتی فیصلہ سامنے آنے سے پہلے دونوں فریق اس کا باضابطہ اقرار نامہ دے چکے ہوں کہ عدالت جو بھی فیصلہ کرے گی اس کو وہ لازمی طور پر مان لیں گے ۔ بصورت دیگر ایسا ہو گا کہ عدالت کا فیصلہ جس فریق کے موافق ہو گا وہ اس کو مانے گا ، اور جس فریق کے خلاف ہو گا وہ اس کو ماننے سے انکار کر دے گا ۔ اس طرح مسئلہ دوبارہ وہیں آجائے گا جہاں وہ پہلے تھا ۔

عدالت کا فیصلہ اس وقت کام کرتا ہے جب کہ معاملہ ایک فرد یا چند افراد کا ہو ۔ ایسی

صورت میں فرد یا افراد اگر عدالتی فیصلہ کو نہ مانیں تو پولیس اس بات کی ضمانت ہوتی ہے کہ انھیں ماننے پر مجبور کیا جاسکے۔ مگر بابری مسجد ۔ رام جنم بھومی کا مسئلہ دو افراد کا مسئلہ نہیں بلکہ دو قوموں کا مسئلہ بن گیا ہے۔ اور جس مسئلہ میں دو پوری قوم شامل ہو جائے۔ اس میں عدالت کا فیصلہ قوم کی مرضی ہی سے نافذ کیا جاسکتا ہے۔ قوم کی مرضی کے بغیر ایسے فیصلہ کا نفاذ ممکن نہیں۔

یہی خاص فرق ہے جس کی بنا پر مسلمانوں کے لئے یہ ممکن ہوا کہ وہ شاہ بانو کیس کے معاملہ میں سپریم کورٹ کے فیصلہ کو نہ مانیں، اور ان کا نہ ماننا سپریم کورٹ کے فیصلہ کو بے اثر بنا دے۔ اگر اس کی حیثیت صرف شخصی معاملہ کی ہوتی تو یہ ناممکن تھا کہ شاہ بانو کے شوہر محمد احمد کے انکار سے ایک عدالتی فیصلہ کالعدم ہو کر رہ جائے۔

میرے نزدیک اس مسئلہ کا واحد قابل عمل حل یہ ہے کہ دونوں فریق ثالثی (arbitration) کے اصول پر راضی ہو جائیں۔ دونوں فریق پیشگی طور پر تحریری اقرار نامہ دیں کہ یہ ثالث (تھرڈ پارٹی) جو بھی فیصلہ دے گا اس کو وہ بلا بحث مان لیں گے۔ فیصلہ کے بعد وہ اس کے خلاف مزید کوئی کارروائی نہیں کریں گے۔ تقریباً چار سال پہلے یہ مسئلہ اس حل کے کنارے پہنچ چکا تھا مگر بعض مسلم لیڈروں کی ناقابل فہم نادانی کی بنا پر وہ عملاً واقعہ نہ بن سکا۔

ایک تاریخی میٹنگ

یہ ۲۷ مارچ ۱۹۸۷ کی بات ہے۔ نئی دہلی کے وٹھل بھائی پٹیل ہاؤس میں اسی خاص مسئلہ پر ایک خصوصی میٹنگ ہوئی۔ اس میں ہندو سائڈ اور مسلم سائڈ دونوں طرف کے ذمہ دار لوگ جمع ہوئے۔ ہندو سائڈ سے جو لوگ شریک ہوئے، ان میں دوسرے ذمہ داروں کے علاوہ مہنت اویدناتھ بھی تھے جو رام جنم بھومی مکتی یگیہ سمتی کے صدر ہیں اور وشو ہندو پریشد کے ٹکٹ پر ایم پی بھی ہیں۔ مسلم سائڈ سے جو لوگ شریک ہوئے، ان میں سید شہاب الدین صاحب اور دوسرے ذمہ دار حضرات موجود تھے۔

اس میٹنگ میں میں بھی خصوصی دعوت پر شریک تھا۔ پہلے حسب عادت دونوں فریق اپنا اپنا دعویٰ پیش کرتے رہے اور ایک دوسرے کی بات کا جواب دیتے رہے۔ دعویٰ اور اس کی تردید کا یہ سلسلہ دیر تک جاری رہا۔

آخر میں میں نے کہا کہ یہ طریقہ مسئلہ کو حل کرنے کا نہیں ہے۔ مسئلہ کے حل کی واحد تدبیر یہ ہے کہ

دونوں فریق ایک تھرڈ پارٹی کو ثالث بنانے پر راضی ہو جائیں اور پیشگی اس بات کا تحریری اقرار کریں کہ یہ تھرڈ پارٹی جو فیصلہ دے گی اس کو وہ منظور کریں گے۔ میں نے کہا کہ اس تھرڈ پارٹی کے لئے سب سے بہتر باڈی مورخین کی ہو سکتی ہے۔ چنانچہ میں نے تجویز پیش کی کہ ہندستان کے مسلّمہ مورخین جنھوں نے انڈین ہسٹری کا باقاعدہ مطالعہ کیا ہو ان کا ایک منتخب بورڈ بنا دیا جائے اور اس کو پورا اختیار دیا جائے کہ وہ تاریخی حقائق کی روشنی میں اپنا قطعی فیصلہ دے۔ وہ جو فیصلہ دے اس کو دونوں فریق بلا بحث مان لیں۔

میری اس تجویز کو ہندو سائڈ نے کسی بحث کے بغیر پوری طرح مان لیا۔ حتی کہ وہ میری تجویز کے اس جزء پر بھی راضی ہو گئے کہ اس بورڈ کے تقرر کو کسی بھی حال میں نظیر نہیں بنایا جائے گا، اور آئندہ کسی اور مسجد یا مساجد کے لئے اس قسم کے باب ہرگز نہیں کھولے جائیں گے۔ مہنت اوید ناتھ نے اس کو اتنا زیادہ پسند کیا کہ انھوں نے کھڑے ہو کر میرے ساتھ تصویر کھنچوائی۔ انھوں نے مزید کہا کہ اس تجویز کو فائنل کرنے کے لئے جلد ہی دوسری میٹنگ بلائی جائے۔

مگر عین اس وقت ایک "حادثہ" پیش آیا جس نے سارے معاملہ کو بگاڑ دیا۔ وہ یہ کہ جناب سید شہاب الدین صاحب ناقابل فہم طور پر اس کے مخالف ہو گئے۔ وہ اس مخالفت میں اتنا شدید ہوئے کہ تقریباً چیخنے لگے۔ حتی کہ ان کی چیخ پکار میں میٹنگ ختم ہو گئی۔

اس میٹنگ میں جماعت اسلامی کے نمائندہ کے طور پر فضل حسین صاحب مرحوم بھی موجود تھے۔ مگر وہ مکمل طور پر خاموش رہے۔ اگر مسلم نمائندوں نے اس موقع پر ناقابل فہم حد تک نادان رول نہ ادا کیا ہوتا تو یہ مسئلہ ۱۹۸۷ میں ہی ختم ہو جاتا اور ملک اور خاص طور پر مسلمان ان اندوہناک نقصانات سے بچ جاتے جو بعد کو اسی کے نتیجہ میں پیش آئے اور موجودہ سطروں کے لکھنے تک پیش آ رہے ہیں۔

آج بھی اگر اس مسئلہ کا کوئی حل ہے تو یہی ہے۔ میں امید کرتا ہوں کہ مسلمانوں کے لیڈر صاحبان پچھلے تلخ تجربات کے بعد اب اس تجویز کی اہمیت کو محسوس کریں گے اور ذاتی وقار کا خیال کئے بغیر اس کی تائید کریں گے۔ نیز ہندو سائڈ جو ۲۷ مارچ ۱۹۸۷ کو اس تجویز کو منظور کر چکی تھی، وہ دوبارہ اس کو مان کر مسئلہ کے حل کا قابل عمل راستہ نکالے گی۔

مسجد اسلام میں

اب میں مسجد کے بارہ میں مسلم نقطۂ نظر کو بتانا چاہتا ہوں۔ یہ بات صحیح ہے کہ مسجد اسلامی شریعت کے مطابق ایک مقدس جگہ ہے۔ جب ایک مقام پر مسجد بنادی جائے تو وہ جگہ ہمیشہ کے لئے مسجد ہوجاتی ہے اور مسلم عقیدہ کے مطابق اس کو کسی بھی طریقہ پر ختم یا تبدیل نہیں کیا جاسکتا۔

مگر جہاں مسجد کے بارے میں یہ شدید مسلم عقیدہ ہے۔ اسی کے ساتھ خود مسلم عقیدہ کے مطابق یہ مسئلہ بھی ہے کہ اگر مسجد غصب کی جگہ پر یا ناجائز جگہ پر بنائی جائے تو وہ مسجد نہیں ہوگی۔ وہاں نماز پڑھنا ناجائز ہوگا۔ ایسی حالت میں مسلمانوں پر یہ فرض ہوگا کہ وہ اس جگہ کو اس کے اصل مالک کی طرف واپس لوٹادیں۔

اجودھیا کی مذکورہ عمارت کے حل کے لئے اگر مذکورہ تدبیر اختیار کی جائے تو وہ کسی بھی اعتبار سے مسلم عقیدہ سے نہیں ٹکراتی۔ اگر مورخین کا بورڈ یہ فیصلہ کرے کہ موجودہ عمارت جائز طور پر مسجد کی حیثیت سے بنائی گئی تھی تو اس کی موجودہ حیثیت علیٰ حالہ برقرار رہے گی۔ اس کے برعکس اگر مورخین کا بورڈ تاریخی حقائق کے حوالہ سے یہ فیصلہ دیتا ہے کہ موجودہ عمارت کی حیثیت جائز طور پر تعمیر کردہ مسجد کی نہیں ہے تو ایسی حالت میں اس کو اصل مالکوں کی طرف لوٹا دینا ہی شریعت کا تقاضا ہوگا۔

بالفرض اگر مورخین کے بورڈ کا فیصلہ مسلمانوں کے موجودہ دعوی کے مطابق نہ ہو تب بھی مسلمانوں کو اسے قبول کرلینا چاہئے کیوں کہ مورخین کے فیصلہ کے بعد وہ ذاتی طور پر بری الذمہ ہوجاتے ہیں اس کے بعد خالص شرعی اعتبار سے ان کی کوئی پکڑ نہیں ہے۔ اس کے بعد خدا کے یہاں اگر کسی کی ذمہ داری ہے تو وہ مورخین کا بورڈ ہے نہ کہ مسلمان۔

ثالثی کا مسئلہ

یہاں میں ثالثی کے اسلامی اصول کے بارہ میں مختصراً کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔

قرآن میں ثالث (arbiter) کا اصول بتایا گیا ہے۔ بیوی اور شوہر میں باہمی نزاع ہو تو اس کو حل کرنے کے لئے یہ طریقہ بتایا گیا ہے کہ دو افراد کا ایک ثالثی بورڈ مقرر کرکے اس کو حل کیا جائے (۴ : ۳۵)۔ قرآن کے انگریزی مترجم عبداللہ یوسف علی نے اس اصول کو بجا طور پر خاندانی جھگڑے کو حل کرنے کا بہترین طریقہ کہا ہے :

An excellent plan for settling family disputes.

قرآن میں یہ حکم ابتداءً خاندانی نزاع کو حل کرنے کے لئے آیا تھا۔ اس کے بعد یہ مسلم قانون کا ایک مستقل جزء بن گیا اور اسلامی تاریخ میں بار بار نزاعی معاملات اس اصول کے ذریعہ حل کئے گئے۔ یہاں میں اس نوعیت کی ایک مثال مختصراً درج کرنا چاہتا ہوں۔

بنو امیہ کے زمانہ میں دمشق میں جامع مسجد بنائی گئی جو ۷۱۵ء میں مکمل ہوئی۔ وہ آج بھی وہاں موجود ہے۔ اس مسجد کے بارہ میں شام کے عیسائیوں کو یہ شکایت تھی کہ اس میں ایک قدیم چرچ کا حصہ بھی شامل کر لیا گیا ہے۔ عمر بن عبد العزیز ۷۱۷ء میں خلیفہ مقرر ہوئے۔ ۷۲۰ء میں خلیفہ کی حیثیت سے ان کا انتقال ہوا۔

حضرت عمر بن عبد العزیز جو اسلامی تاریخ میں عمر ثانی کہے جاتے ہیں، ان کے پاس شامی عیسائیوں کا ایک وفد آیا۔ اس نے شکایت کی کہ پچھلے خلیفہ نے ہمارے چرچ کو مسجد میں شامل کر دیا تھا۔ اب آپ انصاف کریں۔ حضرت عمر بن عبد العزیز نے محمد بن سُوَید الفہری کو ثالث مقرر کیا۔ انھوں نے تحقیق کر کے بتایا کہ عیسائیوں کی شکایت درست ہے۔ اس کے بعد عمر بن عبد العزیز نے حکم دیا کہ مسجد میں گرجا کا جو حصہ ہے وہ پوری زمین عیسائیوں کو دے دی جائے۔

تاہم اس حکم پر عملدرآمد کی نوبت نہیں آئی۔ کیوں کہ عیسائی اصلاً اسلامی انصاف کو آزمانا چاہتے تھے۔ انھوں نے اس کو آزمایا اور اس کو پورا پایا۔ اس کے بعد انھوں نے اعلان کر دیا کہ ہم اپنی خوشی سے یہ حصہ مسلمانوں کے عبادت خانہ کے لئے دیتے ہیں۔ (الخلیفۃ الزاہد عمر بن عبد العزیز)

اوپر جو باتیں کہی گئیں، وہ دینی اور تاریخی دونوں اعتبار سے انتہائی واضح ہے۔ مسلمانوں کے نام نہاد سیاسی لیڈروں کی بابت میں کوئی پیشگی اندازہ نہیں کر سکتا۔ کیوں کہ وہ کسی اصول کے پابند نہ ہونے کی بنا پر قابل پیشین گوئی کردار (predictable character) کے حامل نہیں۔ تاہم میں یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ مسلم علماء اور مسلم عوام دونوں میری اس تجویز سے اتفاق کریں گے۔ یہ تجویز عین شرعی حدود کے مطابق ہے، اس لئے مسلم علماء کے لئے اس کو قبول کرنا مشکل نہیں ہو سکتا۔ اور جہاں تک مسلم عوام کا تعلق ہے، وہ ہر چیز سے پہلے پر امن زندگی چاہتے ہیں، اور یہ تجویز بلاشبہ ان کے لئے اس ملک میں پر امن زندگی کی یقینی ضمانت ہے۔

ایک انتباہ

میرا یہ مضمون اس سے پہلے انگریزی زبان میں نئی دہلی کے روزنامہ ہندستان ٹائمس کے شمارہ ۶ جنوری ۱۹۹۱ میں چھپا تھا۔ انگریزی اخبار میں اس کی اشاعت کے بعد ایک مسلم دانشور کا ٹیلیفون ملا۔ انھوں نے کہا کہ آپ نے اپنے مضمون میں جو تجویز پیش کی ہے، وہ بہت پسندیدہ اور معقول ہے مگر آپ نے اس کو پیش کرنے میں تاخیر کر دی۔ یہ تجویز آپ کو بہت پہلے پیش کرنا چاہئے تھا۔

مذکورہ مسلم دانشور کے اس تبصرہ پر مجھے سخت تعجب ہوا۔ کیوں کہ عین اسی مضمون میں یہ بتایا گیا ہے کہ ثالثی کی یہ تجویز میں نے ۲ مارچ ۱۹۸۷ کو نئی دہلی کے ایک باضابطہ اجتماع میں پیش کی تھی۔ اس وقت میں نے اس کو زیادہ تفصیل کے ساتھ اس کے تمام ضروری اجزاء کے ساتھ بیان کیا تھا۔ اس میٹنگ میں ہندو اور مسلمان دونوں طرف کے اعلیٰ ذمہ دار اور نمائندے موجود تھے۔

اس واضح حقیقت کے باوجود مذکورہ مسلم دانشور نے ایسی بات کیوں کہی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمارے لیڈر اور ہمارے دانشور ایک عرصہ سے "خارجی عذر" کی اصطلاح میں سوچنے کے عادی ہو گئے ہیں۔ وہ ہر ٹھوس بات کے مقابلہ میں ایک خارجی عذر کا حوالہ دے کر اسے رد کر دیتے ہیں۔ یہ مزاج بلاشبہ موجودہ زمانہ میں ہمارا سب سے بڑا مسئلہ ہے۔ اس مزاج کو ختم کرنا انتہائی ضروری ہے ورنہ ہم نہ کسی منصوبہ پر عمل کر سکیں گے اور نہ امکانات کو استعمال کرنے میں کامیاب ہوں گے۔ اس مزاج کی موجودگی میں ہماری بربادی کبھی ختم ہونے والی نہیں۔



مسٹر گولب بیف نے کہا کہ اب میں آپ کو اپنے گھر لے چلتا ہوں تاکہ آپ دیکھیں کہ ایک روسی کا گھر کیسا ہوتا ہے اور وہ اپنے گھر کے اندر کس طرح رہتا ہے۔ اس کے بعد میں ان کے فلیٹ پر گیا۔ یہ کافی بڑا اور سجا ہوا فلیٹ تھا۔ انھوں نے اپنے باورچی خانہ میں خود بنا کر چائے پلائی کیوں کہ اس وقت وہ گھر میں اکیلے تھے۔

چائے خوش رنگ تھی۔ میں نے اس میں دودھ نہیں ڈالا۔ انھوں نے کہا کہ آپ چائے میں دودھ نہیں ڈال رہے ہیں تو کم از کم ایک چمچہ ہمارا دودھ چکھئے تاکہ آپ کو معلوم ہو کہ ہمارے یہاں کا دودھ کیسا ہوتا ہے۔ کھانے کی میز پر کاغذی پیکنگ میں دودھ رکھا ہوا تھا۔ اس میں سے انھوں نے ایک چمچہ دودھ نکال کر مجھ کو دیا۔ میں نے کھایا تو دودھ بالکل خالص اور لذیذ معلوم ہوا۔ یہی حال مکھن کا تھا۔

میں نے سوچا کہ ہم ہندستان میں کسی غیر ملکی سے یہی بات نہیں کہہ سکتے۔ ایک شخص جو خود گائے اور بھینس پالے ہوئے ہو وہ تو کہہ سکتا ہے۔ مگر اس کے کہنے کا کوئی اعتبار نہیں۔ اصل یہ ہے کہ یہاں بازار سے یا ڈیری سے ایک عام شخص کو کیسا دودھ اور کیسا مکھن ملتا ہے۔ ہندستان میں ہم نے سوشلزم اور سرمایہ داری دونوں کو جمع کیا۔ مگر یہاں دونوں کی برائیاں تو جمع ہوئیں مگر دونوں کی خوبیاں جمع نہ ہو سکیں۔

ماسکو سے روسی زبان میں ایک غیر سرکاری ویکلی اخبار نکلتا ہے۔ آرگومنتے ای فاکتے (Arguments and Facts) یہ صرف سیاسی اخبار نہیں بلکہ وہ ہر قسم کے علمی اور سماجی موضوعات کو کور کرتا ہے۔ اس کی موجودہ اشاعت ۳۲ ملین سے زیادہ ہے۔ وہ سارے ملک میں پڑھا جاتا ہے۔ ڈاکٹر اودیف (Gennady P. Avdeyev) نے یہ بات مجھے بتائی تو مجھے بڑا رشک آیا۔ ہندستان میں ہم فخر کے ساتھ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہماری آبادی ۲۰ کروڑ ہے، مگر ہندستان میں مسلمانوں کا کوئی ایسا اخبار نہیں جو بڑی تعداد میں چھپتا ہو اور سارے ملک میں تمام مسلمانوں تک پہنچے۔ مسلمان فخر کے میدان میں سب سے آگے ہیں اور عمل کے میدان میں سب سے پیچھے۔

سوویت یونین میں بہت سی زبانیں ہیں۔ اس کا مسئلہ انھوں نے قابل تقلید انداز میں حل کیا ہے۔ سوویت یونین پندرہ رپبلک پر مشتمل ہے۔ اس میں سے ایک روسی ریپبلک ہے۔ روسی ریپبلک کی فرسٹ زبان روسی زبان ہے جو مرکزی حکومت کی سرکاری زبان ہے۔ بقیہ چودہ ریپبلک میں

ان کی مقامی زبان کو فرسٹ زبان کی حیثیت حاصل ہے اور روسی زبان سیکنڈ لینگویج کی حیثیت سے استعمال ہوتی ہے۔

ایک روسی تعلیم یافتہ شخص سے میں نے سوویت یونین میں مذہب کا حال پوچھا۔ اس نے کہا کہ اشتراکی انقلاب کے بعد مذہب یہاں بطور "عقیدہ" ختم ہو گیا تھا۔ مگر "رسم" کی سطح پر وہ ہمیشہ باقی رہا۔ مثلاً شادی کی رسم، موت کی رسم۔ ان چیزوں میں مذہب پہلے بھی سوویت سوسائٹی میں باقی تھا۔ اب گورباچیف کے زمانہ میں مذہب کو نئی آزادی ملی تو وہ عقیدہ اور عبادت کے اعتبار سے بھی زندہ ہو رہا ہے۔

اس سے مذہبی رسوم کی نئی طاقت کا اندازہ ہوا۔ مذہبی رسوم مذہب کے معاملہ میں راکھ میں چنگاری کی حیثیت رکھتی ہیں۔ یہ چنگاری راکھ کے ڈھیر میں دبی رہتی ہے۔ اور جب موقع ملتا ہے تو وہ بھڑک کر شعلہ بن جاتی ہے۔

ماسکو میں قیام کے دوران میں نے ہزاروں سوویت باشندوں کو دیکھا۔ وہ مجھے خوش نظر آئے۔ میرے ہوٹل میں روزانہ بہت بڑی تعداد میں مختلف علاقوں کے طلبہ بسوں سے آتے تھے۔ یہ لوگ تعلیمی ٹور کے تحت یہاں بھیجے جاتے ہیں۔ وہ لوگ اکثر ہنستے ہوئے نظر آتے تھے۔ ہوٹل کے ملازمین کا حال بھی یہی تھا۔ میں نے ایک انگریزی داں روسی سے پوچھا۔ اس نے بتایا یہ ایک نیا ظاہرہ ہے۔ یہ لوگ دراصل "پریسترو ئیکا" کی وجہ سے اتنا خوش ہیں کیوں اب وہ اپنے کو آزاد محسوس کرتے ہیں۔

سوویت یونین میں دنیا کے ۱۱۸ ملکوں کے ساتھ اچھے تعلقات کے لئے فرینڈشپ سوسائٹیاں قائم ہیں۔ مثلاً سوویت۔ سری لنکا فرینڈشپ سوسائٹی۔ اس کے سکریٹری مسٹر گالکن (Alexey V Galkin) ہیں۔ انھوں نے چار سال لنکا میں رہ کر سنہالی زبان سیکھی اور اس میں مہارت پیدا کی۔ اسی طرح سوویت انڈین فرینڈشپ سوسائٹی۔ اس کے جنرل سکریٹری مسٹر گولب یف (Isaac Golubyev) ہیں۔ انھوں نے ایم اے تک اردو پڑھی۔ اس کے بعد انھوں نے تین سال پاکستان میں گزارے۔ وہ روانی کے ساتھ اردو بولتے ہیں۔ ان دونوں سے میری ملاقاتیں ہوئیں۔ اسی طرح دوسرے تمام ممالک کے ساتھ تعلقات قائم کرنے کے لئے یہاں باضابطہ سوسائٹیاں بنی ہوئی ہیں۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ سوویت یونین ایک نظریاتی ریاست ہے۔ مسلمانوں کا کہنا ہے کہ اسلام ایک کامل اور عالمی نظریہ ہے۔ مگر کسی بھی مسلم ملک میں دوسرے ملکوں سے تعلقات کے لئے اس قسم کی سوسائٹیاں قائم نہیں۔ حتیٰ کہ پاکستان میں بھی نہیں جو نصف صدی سے یہ دعویٰ کر رہا ہے کہ وہ ایک نظریاتی ملک اور نظریاتی ریاست ہے۔ اس کی وجہ غالباً یہ ہے کہ مسلم دانشوروں کا نظریاتی دعویٰ محض اظہار فخر کے لئے ہے، وہ سنجیدہ عمل کے لئے نہیں۔

یکم اگست کو ماسکو کی مسجد دیکھی۔ یہاں کے موذن کا نام رئیس بلال (۲۳ سال) ہے اور امام کا نام راوی بن اسماعیل تھا۔ امام اور موذن دونوں کے سر پر گول ٹوپی تھی۔ مگر وہ کوٹ اور پتلون پہنے ہوئے تھے اور ٹائی لگائے ہوئے تھے۔ نماز کے وقت دونوں نے ایک لمبی عبا اپنے اوپر ڈال لی۔ ماسکو میں بھی ایک مسجد ہے۔ مسجد وسط ماسکو میں ہے۔ بہت اچھی بنی ہوئی ہے۔ چوڑی شاہراہ کے عین کنارہ ہے۔ اس کے ساتھ بڑا ہوا پارک اس کی خوبصورتی میں اضافہ کر رہا ہے۔ مسجد چاروں طرف سے کھلی ہوئی تھی۔ مسجد کے اندر ٹیلیفون وغیرہ کی تمام سہولتیں موجود ہیں۔ وسیع دفتر میں میز اور کرسی کی نشست کا انتظام تھا۔ ماسکو میں ایک اور مسجد ہے جو اس وقت بند ہے۔ یہاں کے مسلمان حکومت سے اس کو کھولنے کی بات چیت کر رہے ہیں۔ امید ہے کہ وہ بھی جلد کھل جائے گی۔

ماسکو میں مسلمانوں کی تعداد ۲۰۰،۰۰۰ ہے۔ جمعہ کے دن ایک ہزار سے زیادہ آدمی اس مسجد میں جمعہ کی نماز ادا کرتے ہیں۔ موذن صاحب نے قرآن کا ایک نسخہ دکھایا۔ یہ متن کے بغیر روسی زبان میں قرآن کا کامل ترجمہ تھا۔ اس کے مترجم کا نام کراچکووسکی تھا۔ یہ ایک غیر مسلم روسی ہے۔ مگر وہ عربی زبان کا اچھا عالم تھا۔ اس نے قرآن کا لفظی ترجمہ کیا ہے جس کو حکومت نے شائع کیا ہے۔

امام صاحب کو میں نے "الاسلام یتحدیٰ" بطور ہدیہ پیش کیا۔ وہ اچھی عربی جانتے تھے۔ ان سے گفتگو عربی زبان میں ہوئی۔ وہ کتاب پا کر بہت خوش ہوئے۔ انھوں نے کہا کہ ہم اس کا ترجمہ روسی زبان اور تاتاری زبان میں کرائیں گے۔ سوویت یونین کے مسلمانوں کی بڑی تعداد تاتاری زبان بولتی ہے۔ یہاں کی مسجد میں میں نے ظہر کی نماز جماعت کے ساتھ ادا کی۔

آج یہاں کوئی خاص دن نہیں تھا۔ مگر لوگ مسلسل امام صاحب کے "دفتر" میں آرہے تھے۔ ٹیلیفون کی گھنٹی بھی بار بار بج رہی تھی۔ سب لوگ بہت "نشیط" دکھائی دے رہے تھے۔

مسجد میں داخل ہوا تو دروازہ کے بائیں طرف دیوار سے ملی ہوئی لمبی الماری تھی۔ اس میں جوتا رکھنے کے لئے بہت سے چھوٹے چھوٹے خانے بنے ہوئے تھے۔ یہ خانے اس طرح سلیقہ سے بنائے گئے تھے کہ وہ مسجد کے دوسرے خوب صورت حصوں کے ساتھ بے جوڑ نہیں معلوم ہوتے تھے۔ اس وقت تقریباً ساٹھ نمازی تھے۔ کسی نے اپنے جوتے کو اتارنے کی جگہ چھوڑ دیا، کسی نے خانہ میں رکھ دیا۔ تمام نمازیوں میں سے کوئی بھی شخص نہ تھا جو جوتے کو اتار کر ہاتھ میں لے اور اس کو سجدہ گاہ کے سامنے رکھ کر نماز ادا کرے۔

نماز سے فارغ ہو کر نکلا تو جوتا اتارنے کی جگہ پر وہ منظر دکھائی نہیں دیا جو دہلی اور دوسرے مقامات کی مسجدوں میں اکثر نظر آتا ہے۔ ایک یا ایک سے زیادہ آدمی حیران و پریشان کھڑے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ ان سے پوچھئے کہ آپ کے ساتھ کیا حادثہ پیش آیا تو وہ بتائیں گے کہ "یہاں جوتا اتارا تھا، مگر وہ کہیں نظر نہیں آ رہا ہے"۔ ہندستان اور پاکستان والوں کو دعویٰ ہے کہ ان کے یہاں سب سے زیادہ اسلام پایا جاتا ہے۔ مگر غالباً ہندستان اور پاکستان ہی وہ ملک ہے جہاں کی مسجدوں میں نمازیوں کے جوتے اٹھا لئے جاتے ہیں۔

وضو خانہ مسجد کے وسیع احاطہ میں باہر کی طرف تھا۔ اس کو "ماڈرن" وضو خانہ کہا جا سکتا ہے۔ اس میں خاص انداز کے مقام وضو کے علاوہ صابن، تولیہ، واش بیسن اور کموڈ وغیرہ کا انتظام تھا۔ میرے قریب ایک صاحب بنچ پر بیٹھے ہوئے وضو کر رہے تھے۔ وہ کوٹ پتلون اور ٹائی میں تھے۔ مگر وہ عربی یا انگریزی نہیں جانتے تھے۔ انھوں نے نہایت پر مسرت لہجہ میں ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے کہا "حج ... جدہ ... مکہ" پھر چار انگلیوں سے اشارہ کیا۔ اس کا مطلب غالباً یہ تھا کہ میں نے اور میرے خاندان کے چار آدمیوں نے حج کیا ہے۔

آج یہاں دو جنازہ بھی تھا۔ نماز ظہر سے پہلے جنازہ کی نماز پڑھی گئی۔ دونوں نمازوں سے پہلے اور بعد کو امام صاحب نے ذکر و دعا کے کلمات کہے۔ ظہر کی نماز میں کافی آدمی تھے۔ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ آج جنازہ کی وجہ سے بہت سے مرد اور عورتیں یہاں آئی ہوئی تھیں۔ یہاں جو عورتیں نظر آئیں وہ سب اسکرٹ پہنے ہوئے تھیں۔ یہاں مسلم اور غیر مسلم عورتوں کا لباس اتنا ملتا جلتا ہے کہ باہر دیکھ کر بظاہر یہ سمجھا نہیں جا سکتا کہ کون مسلم خاتون ہیں اور کون غیر مسلم خاتون۔

امام اور موذن دونوں کوٹ اور پتلون اور ٹائی پہنے ہوئے تھے۔ مگر نماز کے وقت دونوں نے اوپر سے ایک خاص طرح کی لمبی عبا پہن لی۔ اور سر پر خاص طرح کی پگڑی رکھ لی۔ نمازیوں میں زیادہ تر بوڑھی عمر کے نظر آئے۔ دو صفیں بھری ہوئی تھیں۔ کل تقریباً ۶۰ نمازی تھے۔ مسجد کا پیچھے کا حصہ خواتین کے لئے مخصوص ہے۔ گراؤنڈ فلور وسیع ہال کی صورت میں ہے۔ مسجد کے پورے حصہ میں قالین بچھا ہوا ہے۔ سنٹرل ہیٹنگ کا انتظام ہے۔ وغیرہ۔ اوپر کا حصہ بھی نہایت عمدہ اور خوب صورت ہے۔ نماز کے بعد امام صاحب نے میرا تعارف روسی زبان میں کرایا۔ چنانچہ تمام نمازیوں نے آکر مجھ سے مصافحہ کیا اور دعائیں دیں۔

مسجد کے باہر تعمیرات ہو رہی تھیں اور تعمیری مشینیں کھڑی ہوئی تھیں۔ میں نے سمجھا کہ یہ مسجد سے باہر کوئی چیز بن رہی ہے۔ مگر معلوم ہوا کہ وہ مسجد کا حصہ ہے اور مسجد کے تحت بن رہا ہے۔ یہ جان کر بہت خوشی ہوئی۔ کیوں کہ وہ کافی بڑا تھا اور تعمیر کے بعد اس میں ایک بڑا مدرسہ قائم کیا جاسکتا تھا۔

ماسکو کی جامع مسجد کے امام اور خطیب کا نام راوی بن اسماعیل عین الدین تھا۔ وہ ابھی جوانی کی عمر میں تھے۔ مسجد سے ملا ہوا امام صاحب کا کمرہ جدید طرز کے دفتر کی مانند تھا۔ وہ کافی بڑا تھا۔ نشست میز کرسی پر تھی۔ ان سے میں نے پتہ لکھنے کو کہا تو انھوں نے دو ٹیلیفون نمبر کے ساتھ اپنا یہ پتہ لکھا:

Ravil Gainoutdin, Imam Jama Masjid, Moscow, USSR
Tel: 281-49-04, 281-38-66.

سوویت روس کے موجودہ صدر میخائیل گورباچوف نے دو ایسے کام کئے ہیں جو کسی بھی موجودہ مسلم ملک میں ناقابل تصور ہیں۔ ایک، ساکھ کے سوال کو مکمل طور پر نظر انداز کر کے افغانستان سے روسی فوجیں واپس بلانا۔ دوسرے خود اپنے ملک کے نظام میں وہ تبدیلی لانا جس کو ایک دانشور نے انقلاب کو توڑنے (dismantling a revolution) سے تعبیر کیا ہے۔

تاریخ بتاتی ہے کہ روسی قوم ایک بے حد جاندار قوم ہے۔ روس کے پاس، امریکہ کے بعد دوسرا سب سے بہتر جغرافیہ ہے۔ مگر پہلی عالمی جنگ کے بعد روسی قوم مسلسل زوال کا شکار ہوتی رہی۔ اسلحہ سازی کے سوا وہ کسی بھی دوسرے میدان میں ترقی نہ کرسکی۔

اس کی دو بڑی وجہیں تھیں۔ ایک مارکسی نظریہ کے تحت عالمی قیادت کا جنون۔ دوسرے

ریاستی اقتصادیات (state economy) کا طریقہ اختیار کرنے کی وجہ سے روسی معیشت میں محرکِ عمل کا ختم ہو جانا۔ گورباچوف اگر اپنی کوششوں میں کامیاب ہوتے ہیں، تو وہ روسی قوم سے ان دونوں کمزوریوں کو دور کر دیں گے۔ اس کے بعد یہ ممکن ہو جائے گا کہ روسی قوم کی امکانی صلاحیت ظاہر ہونا شروع ہو جائے۔

دوسری عالمی جنگ کے بعد پیدا ہونے والے حالات نے روس کو دوسرے سپر پاور کی حیثیت دے دی تھی۔ لیکن گورباچوف کی قیادت میں روس نے امریکہ سے مفاہمت کا جو سلسلہ شروع کیا ہے، اگر وہ کسی رکاوٹ کے بغیر جاری رہا تو تقریباً یقینی ہے کہ مستقبل قریب میں روس اپنی سپر پاور کی حیثیت کھو دے گا۔ روس کو سپر پاور کی حیثیت ہتھیار کی سطح پر حاصل تھی۔ موجودہ معاہدوں کے تحت جب ہتھیار کو غیر مؤثر بنا دیا جائے گا تو اس کے بعد اصل فیصلہ کن چیز اقتصادی طاقت بن جائے گی۔ اور غیر حربی اقتصادی میدان میں روس، امریکہ اور جاپان سے بہت پیچھے ہے۔ تاہم اس تاریک حال میں اس کے لئے ایک روشن مستقبل کا امکان چھپا ہوا ہے۔

ماسکو کی ایک بے حد چوڑی سڑک تھی۔ دونوں طرف درختوں کی قطاریں دور تک چلی گئی تھیں۔ موسم نہایت خوشگوار تھا۔ ہماری گاڑی اس پر تیزی سے دوڑ رہی تھی۔ یہ ایک خصوصی آرام دہ گاڑی تھی۔ سیٹ کے آگے اتنی زیادہ خالی جگہ تھی کہ آدمی پورا پاؤں نہایت آسانی کے ساتھ پھیلا سکتا تھا۔ میں خاموشی سے سر پکڑے ہوئے اس کے اندر بیٹھا ہوا تھا۔

میرے ساتھی نے خاموشی کو توڑتے ہوئے کہا: یہ گاڑی جس میں آپ سفر کر رہے ہیں وہ یہاں بے حد اہم شخصیتوں (VVIPs) کے لئے ہوتی ہے۔ اس وقت ہم لوگ ایک روسی وزیر سے ملنے کے لئے جا رہے تھے۔ میں نے ساتھی کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا: میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ آپ مجھے بہت جلد ماسکو سے دہلی واپس بھیج دیجئے۔

سفر میرے لئے ہمیشہ مصیبت کا باعث ہوتا ہے۔ سفر میں معمولات کا ٹوٹنا میرے لئے اتنا سخت ثابت ہوتا ہے کہ آرام بھی مجھ کو کاٹنے لگتا ہے۔ اور اب بڑھاپے کی عمر کو پہنچنے کے بعد تو یہ کیفیت بہت زیادہ بڑھ گئی ہے۔ حتی کہ اب میں یہ سوچنے لگا ہوں کہ میں اسفار کا سلسلہ بالکل بند کر دوں۔ حالاں کہ ان سطور کے لکھنے کے وقت بھی میرے پاس کئی مقامات کے دعوت نامے موجود

ہیں —— امریکہ ، جاپان ، جرمنی ، انگلینڈ ، اٹلی ، پاکستان ، لیبیا ، وغیرہ

روسی میزبانوں کے سخت اصرار کے باوجود میں نے اپنا سفر مختصر کر دیا اور درمیان سے واپسی کا فیصلہ کیا۔ بالآخر وہ لوگ بھی راضی ہو گئے۔ اب مجھے ۳۱ جولائی کو ہوٹل چھوڑنا تھا۔ صبح کو فجر کی نماز پڑھی۔ نماز کے بعد ٹوٹے ہوئے دل کے ساتھ دعا کے لئے ہاتھ اٹھایا۔ میری زبان پر یہ الفاظ جاری ہو گئے : یا اللہ مجھے بخش دیجئے۔ آپ کے اس عاجز بندہ کو غیر جہنم بھی برداشت نہیں ، پھر جہنم اس سے کیوں کر برداشت ہوگی۔ ایک ایسا انسان جو راحت کا بھی تحمل نہیں کر سکتا ، وہ عذاب کا تحمل کس طرح کرے گا۔

یکم اگست ۱۹۹۰ کو میں ماسکو ایرپورٹ پر جہاز کے انتظار میں بیٹھا تھا۔ مختلف سرگرمیوں کے مناظر آنکھوں کے سامنے تھے۔ مختلف ملکوں کے عورت اور مرد آتے جاتے ہوئے دکھائی دے رہے تھے۔ اس دوران ایک لطیف تجربہ گزرا۔ دل کے احساس کو رقم کرنے کے لئے آنکھوں نے روشنائی فراہم کی۔ ایک ربانی ارتعاش اندر سے نکل کر فضا میں مرتسم ہو گیا۔

میں نے اپنے بیگ سے قلم اور کاغذ نکالا۔ میں نے چاہا کہ اس ربانی تجربہ کو انسانی الفاظ میں لکھوں۔ مگر پھر میں نے لکھنے کا خیال چھوڑ دیا۔ میں نے سوچا کہ لوگوں کا حال یہ ہے کہ کثیف حقیقتوں کو سمجھنا بھی ان کے لئے مشکل ہو رہا ہے۔ پھر لطیف حقیقتوں کو آخر کون سمجھے گا۔ یہ تو وہ حقیقتیں ہیں جو صرف آنسوؤں سے لکھی جاتی ہیں اور دل کی دھڑکنوں سے پڑھی جاتی ہیں۔ مگر آج انسان کی سطحیت کا یہ عالم ہے کہ اس کے پاس نہ آنکھ کے آنسو ہیں اور نہ دل کی دھڑکنیں۔ پھر کون ہے جو اس کو پڑھے اور کون ہے جس کے لئے اسے لکھا جائے۔

جہاز سازی کی صنعت کو ترقی دینے میں روس کا خاص حصہ رہا ہے۔ مثلاً روس نے پہلی بار کئی انجن والے جہاز (multi-engined plane) بنائے۔ اس کا ڈیزائن سکورسکی (Sikorsky) نے تیار کیا تھا، اور وہ پہلی بار ۱۹۱۵ میں کامیابی کے ساتھ اڑایا گیا تھا۔ روسی قوم کے اندر غیر معمولی امکانی صلاحیت ہے۔ کمیونزم کے جابرانہ نظام نے اس صلاحیت کے ظہور پر روک لگا دی تھی۔ اب امید ہے کہ روسی قوم دوبارہ ترقی کے نئے زینے طے کر سکے گی۔

یکم اگست ۱۹۹۰ کی شام کو ایروفلاٹ کی پرواز نمبر ۵۵۷ کے ذریعہ ماسکو سے دہلی کے

لئے روانگی ہوئی۔

راستہ میں جہاز ایک گھنٹہ کے لئے تاشقند میں رکا۔ دوسرے مسافروں کے ساتھ میں بھی جہاز سے باہر آگیا اور یہ وقت تاشقند ایرپورٹ پر گزارا۔ ایرپورٹ پر تاشقند کے قدیم آثار کی بہت سی بڑی بڑی تصویریں لگی ہوئی تھیں۔ یہ اپنے طرز تعمیر کے اعتبار سے اسلامی عہد کی معلوم ہوئیں۔ ایک گنبد کی تصویر تھی۔ اس پر نقش ونگار کے انداز میں کچھ عربی کلمات لکھے ہوئے تھے۔ مگر آرٹسٹک خط کو پڑھنے کے معاملہ میں میں بہت کمزور ہوں۔ چنانچہ میں ان کلمات کو پڑھ نہ سکا۔

تاشقند کی زمین ماضی کے ان ایام کو یاد دلاتی ہے جب یہاں مسلمانوں کا دور دورہ تھا۔

تاشقند سوویت یونین کے اس علاقہ میں واقع ہے جس کو سنٹرل ایشیا (وسط ایشیا) کہا جاتا ہے۔

سنڈے ٹائمس (لندن) نے اپنے شمارہ ۱۰ جون ۱۹۹۰ میں لکھا تھا کہ سوویت سنٹرل ایشیا کے جنوبی کنارہ پر واقع تمام مسلم علاقے آزادی کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ یہ لوگ سوویت یونین کی کل آبادی کا ۲۰ فی صد حصہ ہیں (خود اس علاقے میں مسلمانوں کی تعداد ۴۰ فی صد ہے) سوویت فوج میں ان کی تعداد ۳۳ فی صد ہے۔ نیشنلزم اور مذہبی بنیاد پرستی کی ایک لہر مسلمانوں کو آزادی کی طرف لے جا رہی ہے۔ وہ کسی نہ کسی دن سوویت اقتدار سے آزادی حاصل کرلیں گے اور بقیہ مسلم دنیا کے ساتھ مل جائیں گے۔

سوویت یونین میں مسلمان زیادہ تر سنٹرل ایشیا کے علاقہ میں رہتے ہیں
ازبکستان، تاجکستان، ترکمانستان، کرغیزیہ، قزاقستان۔ سوویت یونین کے مسلمان زیادہ تر سنی ہیں۔ البتہ آذربائیجان میں شیعہ کی اکثریت ہے جو کہ ایران سے ملا ہوا ہے۔ سرکاری اعداد وشمار کے مطابق پورے ملک میں ۱۲۰۰ مسجدیں ہیں۔ تاہم یہ اعداد صحیح معلوم نہیں ہوتے۔ بخارا میں الغ بیگ کا مدرسہ ہے۔ یہ مدرسہ ۱۸-۱۴۱۷ میں بنایا گیا تھا۔ وہ وسط ایشیا کا قدیم ترین مدرسہ سمجھا جاتا ہے۔

حکومت سے منظور شدہ بہت سے مسلمانوں کے بورڈ ہیں جو مسلم معاملات کی تنظیم کرتے ہیں۔ مثلاً ایک مسلم بورڈ نے ۱۹۸۹ میں قرآن کے ۵۰ ہزار نسخے چھپوائے۔ اسی طرح ایک بورڈ ایک ماہانہ میگزین (مسلمس آف دی سوویت ایسٹ) شائع کرتا ہے (یہ انگلش، فرنچ، عربی، دری، فارسی

میں پچاس ہزار کی تعداد میں چھپتا ہے اور ۸۰ ملکوں میں بھیجا جاتا ہے۔ اب روس اور سعودی عرب میں سفارتی تعلقات بھی قائم ہو گئے ہیں۔

اسی علاقہ میں سمرقند واقع ہے۔ یہاں کے ایک گاؤں خرتنگ میں امام بخاری کی قبر تھی۔ یہاں ۱۹۱۷ کے انقلاب کے بعد مسلمانوں کی کوششوں سے دوبارہ نئی تعمیر کی گئی ہے۔ اور اب یہاں ایک باقاعدہ مقبرہ ہے اور اسی کے ساتھ ایک مسجد بنی ہوئی ہے۔ زائرین کثیر تعداد میں یہاں آتے ہیں۔ (اس صفحہ کے نیچے امام بخاری کے مقبرہ کی موجودہ تصویر دی جا رہی ہے)

سوویت یونین کی پندرہ ریاستوں میں سے ایک وہ ہے جس کا نام (Tadzhikistan) (تاجکستان) ہے۔ اس کی راجدھانی دوشنبے (Dushanbe) ہے۔ یہاں مسلمانوں کی تعداد اتنی زیادہ ہے کہ وہ مطالبہ کر رہے ہیں کہ انھیں آزاد کیا جائے اور تاجکستان کا سرکاری مذہب اسلام قرار دیا جائے۔

نیویارک کے ہفت روزہ نیوز ویک نے اپنے نمائندہ ڈیوڈ ریکمین کی ایک رپورٹ شائع



کی ہے۔ اس رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ دوشنبے میں کیمونسٹ پارٹی کی مرکزی کمیٹی کے دفتر کے سامنے دس ہزار مسلمانوں نے جمع ہوکر احتجاج کیا۔ مظاہرہ کے دوران اچانک ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔ مظاہرین میں سے کچھ مسلم نوجوانوں نے ٹینکوں اور بکتر بند گاڑیوں کے پاس کھڑے ہوئے روسی فوجیوں سے کہا کہ آپ لوگ اپنی اپنی جگہ پر بیٹھ جائیں۔

روسی فوجی اس "حکم" پر حیران ہوئے۔ تاہم کچھ دیر کے بعد وہ سڑک پر بیٹھ گئے۔ اس کے بعد ڈاڑھی رکھے ہوئے ایک بزرگ مسلمان نکلے۔ انھوں نے ایک فوجی گاڑی کے اوپر کھڑے ہوکر اذان دی۔ اس کے بعد تمام مظاہرین صف باندھ کر کھڑے ہوگئے اور باجماعت نماز ادا کی۔ روسی فوج کے لوگ انھیں اچنبھے کے ساتھ دیکھتے رہے۔

نیوز ویک کے رپورٹر کے مطابق، تاجکستان میں مسلمانوں کی تعداد روس کی دوسری ریاستوں میں بسنے والے مسلمانوں سے زیادہ ہے۔ وہ سب سے زیادہ مذہبی بھی ہیں۔ پچھلے کیونسٹ دور میں ان کے مذہبی جذبہ کو دبانے کی کوشش کی گئی۔ حتی کہ ظاہری طور پر دیکھنے والوں کے لئے وہ ختم بھی ہوگیا۔ لیکن موجودہ روسی حکمراں مسٹر گورباچوف کی اصلاحات کے بعد اچانک یہاں اسلام دوبارہ ظاہر ہوگیا ہے۔ روس میں پانچ کروڑ مسلمان ہیں۔ چوں کہ سرکاری طور پر اس قسم کی معلومات چھاپی نہیں جاتی تھیں، اس لئے خود روسیوں کو اس واقعہ کا علم پہلی بار ہو رہا ہے۔

تاجکستان میں تقریباً ۳۰۰ نئی مسجدیں بن گئی ہیں۔ فیکٹریوں، سڑکوں اور جیل وغیرہ میں نماز پڑھنے کی اجازت مل گئی ہے۔ اسلام قبول کرنے والوں کی تعداد بھی بڑھ رہی ہے۔ جو اسلام پسند مسلم ملکوں میں حکمرانوں کے خلاف مہم چلا رہے ہیں اور کہتے ہیں کہ ان "سیکولر" حکمرانوں کو ہٹانا ضروری ہے۔ ورنہ یہاں سے اسلام کا خاتمہ ہوجائے گا۔ ایسے لوگوں کو روس کے واقعہ سے سبق لینا چاہئے۔ جب کیمونسٹ حکومت کے شدید ترین سلوک کے باوجود اسلام روس میں ختم نہ ہوسکا تو وہ مصر، پاکستان شام، اردن جیسے ملکوں سے کیوں کر ختم ہوجائے گا۔

حال ہی میں افریقہ (سینیگال) گیا تھا۔ اس کے بعد روس کا سفر ہوا۔ دونوں کے درمیان ایک عجیب فرق تھا۔ افریقہ میں سب کے سب لوگ سیاہ فام دکھائی دیتے تھے، یہاں سب کے سب لوگ سفید فام نظر آتے ہیں۔

یہ فرق اللہ تعالیٰ نے "تعارف" کے لئے رکھا ہے نہ کہ "امتیاز" کے لئے۔ یہ صورت حال در اصل انسان کے حالتِ امتحان میں ہونے کا ایک جزء ہے۔ مگر عجیب بات ہے کہ بیشتر انسان اس امتحان میں ناکام ہو گئے۔ سفید فام لوگوں نے رنگ کی بنا پر اپنے کو مخصوص نسل سمجھ لیا۔ اس کے جواب میں سیاہ فام نسل میں ردعمل پیدا ہوا۔ انھوں نے کہا کہ سیاہ بہتر ہے (Black is good) حتی کہ انھوں نے کہا کہ خدا بھی سیاہ ہے۔ نعوذ باللہ من ذالک۔

ماسکو میں بہت بڑے بڑے پارک ہیں۔ مثلاً فرینڈ شپ پارک اتنا بڑا ہے کہ ایک منظم جنگل معلوم ہوتا ہے۔ اس کے اندر رابندر ناتھ ٹیگور کا اسٹیچو ہے۔ اس کے علاوہ ماسکو میں گاندھی، نہرو، اور اندرا کے اسٹیچو بھی ہیں۔ یہ ایک علامت ہے جس سے ہند اور روس کے درمیان گہرے تعلقات کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

۲ اگست ۱۹۹۰ کی صبح کو دوبارہ میں دہلی کے اسی ایرپورٹ پر اترا گیا جہاں سے میں اس سفر پر روانہ ہوا تھا۔ انسان جہاں سے آیا ہے، وہیں اس کو دوبارہ لوٹ کر جانا ہے۔ دنیا کے سفر میں ہر روز انسان کو اس حقیقت کا تجربہ کرایا جا رہا ہے۔ مگر مسافروں کی بھیڑ میں شاید کوئی بھی مسافر ایسا نہیں جو اس ابتدائی تجربہ میں اس کے انتہائی سبق کو پا رہا ہو۔ ہر آدمی واقعہ کے "نصف اول" کا ماہر بنا ہوا ہے، واقعہ کے "نصف ثانی" کی خبر کسی کو نہیں۔

واپس آتے ہوئے اخبار میں ایک رپورٹ پڑھی۔ اس کا عنوان تھا ــــــ ایک نیا سوویت روس ابھر رہا ہے:

A new USSR is emerging

اس رپورٹ میں بتایا گیا تھا کہ خمسینات میں سوویت یونین نے ساری دنیا کو حیرانی میں ڈال دیا جب کہ اس نے اپنا اسپٹنک زمین کے مدار میں داخل کر دیا۔ اس طرح اس نے فوجی طاقت میں امریکہ کی برابری (strategic parity) حاصل کر لی۔ روایتی ہتھیاروں کے اوپر اس کو واضح برتری حاصل ہو گئی۔ مگر یہ حیثیت اس کو ایک بے حد مہنگی قیمت پر ملی۔ فوجی برتری حاصل کرنے کی کوشش میں اس نے اپنی اقتصادیات کو برباد کر لیا۔ چنانچہ سوویت یونین اب ۷۰ سالہ اشتراکی لبادہ کو اتار رہا ہے اور عام جمہوری انداز پر اپنی اقتصادیات کی نئی تنظیم کرنا چاہتا ہے۔

اگر آپ ایک ملین ڈالر خرچ کرکے بید کی ایک چھڑی حاصل کریں تو یہ پانا نہیں ہوگا۔ وہ کھونے کی بدترین شکل ہوگی۔ کوئی بڑا اقدام صرف اس وقت بڑا ہے جب کہ وہ نتیجہ خیز بھی ہو۔ جو اقدام بظاہر بڑا ہو مگر نتیجہ کے اعتبار سے وہ چھوٹا ہو، وہ اقدام نہیں بلکہ خودکشی کی چھلانگ ہے۔ اس سے زیادہ اس کی کوئی حقیقت نہیں۔

روس نے ایک غلط اقدام کیا مگر ۱۰ سال بعد وہ غلطی کا اعتراف کرکے اس سے لوٹ آیا۔ موجودہ زمانہ میں مسلمانوں کی قیادت ۱۰۰ سال سے ایک کے بعد ایک غلط اقدام کر رہی ہے، مگر اب تک اسے غلطی کے اعتراف کی توفیق نہ ہو سکی۔ کیسے عجیب ہوں گے وہ اصحاب ایمان جو اصحاب الحاد سے بھی کم اعتراف کا حوصلہ رکھتے ہوں۔

خبرنامہ اسلامی مرکز ۷۱

۱۔ ہندی میں الرسالہ کے اجرا کو بہت پسند کیا گیا ہے۔ چند خط نقل کئے جاتے ہیں :

• ہندی الرسالہ کی کاپی بیگم شروانی صاحبہ کو مل گئی ہے۔ وہ ہندی الرسالہ کو دیکھ کر بہت خوش ہوئی ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ اب ہم صحیح معنوں میں عوام کی خدمت کر سکیں گے اور اپنا پیغام لوگوں تک پہنچا سکیں گے (انصار الحق سکریٹری ، الٰہ آباد)

• مشہور انگریزی جرنلسٹ مسٹر خوشونت سنگھ ایک خط میں لکھتے ہیں :

You have done well to bring out this Risala in Devnagari. It should have a much wider impact. (Khushwant Singh)

• خدا خدا کر کے ہندی الرسالہ منظر عام پر آگیا۔ بہت خوشی کی بات ہے۔ تعمیری کام میں یہ پرچہ بہت اہم رول انجام دے گا۔ اس پرچہ کو نکالنے میں جہاں آپ حضرات کی محنت شاقہ موجود ہے، وہیں اللہ تعالیٰ کی کوئی مصلحت خاص ضرور پوشیدہ ہے۔ میرا تو یہی احساس ہے (شیخ محی الدین ، پونہ)

• ہم لوگوں کو انتہائی خوشی ہوئی جب کہ ہم نے الرسالہ ہندی کو پایا۔ خاص کر میں نے اس الرسالہ کو چوما۔ دل سے مولانا کے لئے بہت ہی دعا نکلی۔ اللہ تعالیٰ ان کے مقصد میں کامیابی دے (جمال الدین صدیقی ، ناندیڑ)

• ہندی الرسالہ کا نمونہ دیکھا۔ دیکھ کر بے حد مسرت حاصل ہوئی۔ اب تک الرسالہ اردو صرف اکیلا پڑھا کرتا تھا۔ ہندی الرسالہ جاری ہونے سے میرے بچے اور دیگر احباب بھی اس سے فیض یاب ہوں گے (محمد یوسف چھاونی والا ، پالی)

• الرسالہ ہندی شائع ہونے کی خبر نئی دنیا میں پڑھی۔ دل کو خوشی ہوئی۔ کیوں کہ اس کی سخت ضرورت تھی۔ آپ نے الحمد للہ بہت سے لوگوں کی ضرورت پوری کر دی ہے۔ مجھے قوی امید ہے کہ انشاء اللہ یہ رسالہ قوم کی ترقی اور تعمیری انداز میں اصلاح کرنے میں معین و مددگار ہوگا (خلیل احمد ، مظفر نگر)

۲ - ڈاکٹر تھیوڈور رائٹ (Prof. Theodore P. Wright) نیویارک اسٹیٹ یونیورسٹی میں پولٹیکل سائنس کے پروفیسر ہیں۔ وہ ۲۴ جنوری ۱۹۹۱ کو اسلامی مرکز میں آئے۔ اور "ہندستانی مسلمانوں کے مسائل" کے موضوع پر صدر اسلامی مرکز سے تفصیلی تبادلہ خیال کیا۔ آخر میں انھیں انگریزی کے متعلقہ مضامین دئے گئے۔

۳ - ایک صاحب لکھتے ہیں: الرسالہ جنوری ۱۹۹۱ میں نے حضرت مفتی شیخ الحدیث مولانا ریاست علی صاحب مدظلہ العالی کو پڑھ کر سنایا۔ حضرت مولانا نے جناب والا کو دور حاضر کا عظیم مبلغ اسلام فرمایا۔ میں خود فلسفہ کے اسکالر ہونے کی حیثیت سے آپ کو وقت کا ایک عظیم فلسفی سمجھتا ہوں (محمد شفیع، پرگتی میدان، نئی دہلی)

۴ - نئی دہلی کے انگریزی اخبار ہندستان ٹائمس نے اپنے شمارہ ۶ جنوری ۱۹۹۱ میں صدر اسلامی مرکز کا ایک مفصل آرٹیکل شائع کیا ہے۔ یہ آرٹیکل بابری مسجد۔ رام جنم بھومی کے مسئلہ پر ہے اس آرٹیکل میں کہا گیا ہے کہ اس نزاع کو ثالثی کے اصول پر حل کرنا چاہئے۔

نئی دہلی میں ۲۰ دسمبر ۱۹۹۰ کو ایک مشترک اجتماع ہوا۔ صدر اسلامی مرکز نے اس میں شرکت کی اور تقریباً آدھ گھنٹہ کی ایک تقریر کی۔ تقریر کا خلاصہ یہ تھا کہ اسلام ہی وہ نظام فکر ہے جو سائنس کے نظریاتی سوالات کو حل کرتا ہے اور اسی کے ساتھ وہ محفوظ دین ہونے کی وجہ سے انسان کی روحانی و مذہبی تلاش کا واحد جواب ہے۔

۵ - الرسالہ کے مضامین اپنی عمومی افادیت کی بنا پر برابر ملک کے مختلف پرچوں میں نقل کئے جارہے ہیں۔ مثلاً الرسالہ انگریزی کا ایک مضمون نئی دہلی کے انگریزی جرنل پرافیٹیبلی یورس (Profitably Yours) کے شمارہ جولائی ـــــ دسمبر ۱۹۹۰ میں نقل کیا گیا ہے

۶ - مسٹر دیوی سرن (بھوپال) لکھتے ہیں: الرسالہ ہر ماہ مل جاتا ہے۔ آپ جس طرح بات کو ذہن نشیں کراتے ہیں وہ صرف آپ کا ہی حصہ ہے۔ میں آپ کے طرز تحریر کا اور نفس مضمون کی افادیت کا بیحد قائل ہوں۔ اردو کے علاوہ ہندی اور انگریزی بھی جانتا ہوں، اس لئے مجھے تینوں زبانوں کا استفادہ حاصل ہے۔ ہندی کا الرسالہ بھی خوب ہے۔ اس سے ہندی داں طبقہ کو فائدہ ہوگا۔ اس کا یقین ہے۔

۷۔ آل انڈیا ریڈیو نئی دہلی سے ۲۲ مارچ ۱۹۹۱ کو صدر اسلامی مرکز کی ایک تقریر نشر کی گئی۔ تقریر کا عنوان تھا: مذہب میں ایجاب وقبول کی روایات۔ انشاء اللہ آئندہ الرسالہ میں یہ تقریر شائع کر دی جائے گی۔

۸۔ احادیث رسول کا ایک مجموعہ تیار کیا گیا ہے۔ اس میں دو سو منتخب حدیثیں ہیں۔ کتابت کی تکمیل کے بعد انشاء اللہ اس کو شائع کیا جائے گا۔

۹۔ نئی دہلی میں ایک اسکول فادر ایگنل اسکول کے نام سے ہے۔ ۲۱ جنوری ۱۹۹۱ کو انھوں نے اپنے یہاں ایک انٹر ریلیجس اجتماع کیا۔ اس کا عنوان تھا: Living together in peace. اس موقع پر اسلامی مرکز کو دعوت دی گئی۔ مرکز کی طرف سے ڈاکٹر ثانی اثنین خاں نے شرکت کی اور مذکورہ موضوع پر اسلامی نقطۂ نظر سے ایک تقریر کی۔

۱۰۔ الرسالہ اب بیک وقت تین زبانوں (اردو، ہندی، انگریزی) میں نکل رہا ہے۔ اس سے اسلامی مرکز کے تعمیری اور دعوتی مشن کا اشاعتی حلقہ بہت بڑھ گیا ہے۔ مگر اسی کے ساتھ مرکز کے اقتصادی مسائل میں بھی اضافہ ہو گیا ہے۔ ہم اصحاب خیر اور دردمند حضرات سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ اپنا مالی تعاون روانہ فرمائیں، تاکہ اس دینی مشن کو موثر طور پر جاری رکھا جا سکے۔

۱۱۔ کچھ عرصہ پہلے بعض مخیر حضرات کے تعاون سے مرکز کی طرف سے تقسیم کتب کا سلسلہ شروع کیا گیا تھا۔ اس سلسلہ میں ہم نے دینی مدارس اور اردو لائبریریوں سے گزارش کی تھی کہ وہ ہمیں اپنے پتے اور تعارف نامے روانہ کریں تاکہ انھیں کتابیں بھیجی جائیں۔ دوسری طرف اصحاب خیر سے یہ اپیل کی گئی تھی کہ وہ اپنے فیاضانہ تعاون کے ذریعہ تقسیم کتب کے اس سلسلہ کو مزید وسعت دینے کی کوشش فرمائیں۔

اس اعلان کے بعد ہمارے پاس سینکڑوں کی تعداد میں دینی اداروں اور لائبریریوں کے پتے آگئے ہیں۔ تاہم ہمارے خصوصی معاونین کی تعداد اور مرکز کے وسائل محدود ہونے کی بنا پر ان سب کے لیے کتابوں کی فراہمی بر وقت ممکن نہیں۔ لہٰذا اہل خیر حضرات سے دوبارہ گزارش کی جاتی ہے کہ وہ اشاعت دین کی اس مہم میں ہمارے ساتھ حوصلہ مندانہ تعاون کے لیے آگے بڑھیں۔ ایک فرد کے لیے خصوصی تعاون کی کم از کم حدیہ ہے کہ وہ ایک سال کے لیے الرسالہ کا زر تعاون مبلغ ساٹھ روپے ارسال کر دے۔ جس کے عوض ان کی طرف سے کسی مدرسہ یا لائبریری کو مفت الرسالہ جاری کر دیا جائے گا۔

ایجنسی الرسالہ

ماہنامہ الرسالہ بیک وقت اردو، ہندی اور انگریزی زبانوں میں شائع ہوتا ہے۔ اردو الرسالہ کا مقصد مسلمانوں کی اصلاح اور ذہنی تعمیر ہے۔ ہندی اور انگریزی الرسالہ کا خاص مقصد یہ ہے کہ اسلام کی بے آمیز دعوت کو عام انسانوں تک پہونچایا جائے۔ الرسالہ کے تعمیری اور دعوتی مشن کا تقاضا ہے کہ آپ نہ صرف اس کو خود پڑھیں بلکہ اس کی ایجنسی لے کر اس کو زیادہ سے زیادہ تعداد میں دوسروں تک پہونچائیں۔ ایجنسی گویا الرسالہ کے متوقع قارئین تک اس کو مسلسل پہونچانے کا ایک بہترین درمیانی وسیلہ ہے۔

الرسالہ (اردو) کی ایجنسی لینا ملّت کی ذہنی تعمیر میں حصّہ لینا ہے جو آج ملّت کی سب سے بڑی ضرورت ہے۔ اسی طرح الرسالہ (ہندی اور انگریزی) کی ایجنسی لینا اسلام کی عمومی دعوت کی مہم میں اپنے آپ کو شریک کرنا ہے جو کارِ نبوّت ہے اور ملّت کے اوپر سب سے بڑا فریضہ ہے۔

ایجنسی کی صورتیں

۱۔ الرسالہ (اردو، ہندی یا انگریزی) کی ایجنسی کم از کم پانچ پرچوں پر دی جاتی ہے۔ کمیشن ۲۵ فی صد ہے۔ ۱۰۰ پرچوں سے زیادہ تعداد پر کمیشن ۳۳ فی صد ہے۔ پیکنگ اور روانگی کے تمام اخراجات ادارہ الرسالہ کے ذمے ہوتے ہیں۔

۲۔ زیادہ تعداد والی ایجنسیوں کو ہر ماہ پرچے بذریعہ وی پی روانہ کیے جاتے ہیں۔

۳۔ کم تعداد کی ایجنسی کے لیے ادائگی کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ پرچے ہر ماہ سادہ ڈاک سے بھیجے جائیں، اور صاحبِ ایجنسی ہر ماہ اس کی رقم بذریعہ منی آرڈر روانہ کر دے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ چند ماہ (مثلاً تین مہینے) تک پرچے سادہ ڈاک سے بھیجے جائیں اور اس کے بعد والے مہینہ میں تمام پرچوں کی مجموعی رقم کی وی پی روانہ کی جائے۔

زرِ تعاون الرسالہ

ہندستان کے لیے		بیرونی ممالک کے لیے	(ہوائی ڈاک)	(بحری ڈاک)
ایک سال	۶۰ روپیہ	ایک سال	۲۵ ڈالر امریکی	۱۰ ڈالر امریکی
دو سال	۱۱۰ روپیہ	دو سال	۴۰ 〃 〃	۱۸ 〃 〃
تین سال	۱۵۰ روپیہ	تین سال	۵۵ 〃 〃	۲۵ 〃 〃
پانچ سال	۲۴۰ روپیہ	پانچ سال	۸۵ 〃 〃	۴۰ 〃 〃
خصوصی تعاون (سالانہ)	۲۰۰ روپیہ	خصوصی تعاون (سالانہ)	۱۰۰ 〃	— —

ڈاکٹر ثانی اثنین خاں پرنٹر پبلیشر مسئول نے نائس پرنٹنگ پریس دہلی سے چھپوا کر دفتر الرسالہ سی۔۲۹ نظام الدین ویسٹ نئی دہلی سے شائع کیا۔

RNI 28822/76 □ April 1991 No. 173 □ Rs. 5

عصری اسلوب میں اسلامی لٹریچر

مولانا وحید الدین خاں کے قلم سے

تذکیر القرآن جلد اوّل	Rs 150/-
" " جلد دوم	150/-
اللہ اکبر	40/-
پیغمبرِ انقلاب	35/-
مذہب اور جدید چیلنج	40/-
عظمتِ قرآن	25/-
دینِ کامل	45/-
الاسلام	35/-
ظہورِ اسلام	35/-
اسلامی زندگی	25/-
احیاءِ اسلام	20/-
رازِ حیات (مجلد)	55/-
صراطِ مستقیم	35/-
خاتونِ اسلام	40/-
سوشلزم اور اسلام	35/-
اسلام اور عصرِ حاضر	25/-
حقیقتِ حج	30/-
اسلامی تعلیمات	25/-
اسلام دورِ جدید کا خالق	20/-
رشدیات	
تعمیر کی طرف	8/-
راہِ عمل	25/-
تبلیغی تحریک	20/-
میوات کا سفر	30/-
اقوالِ حکمت	20/-
تعبیر کی غلطی	45/-

دین کی سیاسی تعبیر	15/-
دین کیا ہے	4/-
قرآن کا مطلوب انسان	10/-
تجدید دین	15/-
اسلام دین فطرت	5/-
تعمیرِ ملت	5/-
تاریخ کا سبق	5/-
مذہب اور سائنس	
عقلیاتِ اسلام	30/-
فسادات کا مسئلہ	4/-
انسان اپنے آپ کو پہچان	4/-
تعارفِ اسلام	4/-
اسلام پندرھویں صدی میں	4/-
راہیں بند نہیں	5/-
ایمانی طاقت	5/-
اتحادِ ملت	5/-
سبق آموز واقعات	5/-
زلزلۂ قیامت	7/-
حقیقت کی تلاش	5/-
پیغمبرِ اسلام	4/-
آخری سفر	5/-
اسلامی دعوت	5/-
خدا اور انسان	5/-
حل یہاں ہے	8/-
سچا راستہ	4/-
دینی تعلیم	5/-

حیاتِ طیبہ	5/-
باغِ جنت	5/-
نارِ جہنم	5/-

الرسالہ کیسٹ

نمبر۱ ایمان	25/-
نمبر۲ جدید امکانات	25/-
نمبر۳ اسلامی اخلاق	25/-
نمبر۴ اتحاد	25/-
نمبر۵ تعمیرِ ملت	25/-
نمبر۶ سنتِ رسولؐ	25/-
نمبر۷ میدانِ عمل	25/-
نمبر۸ پیغمبرانہ رہنمائی	25/-
الرسالہ مجلد فی جلد	75/-

God Arises	Rs 60/-
Muhammad The Prophet of Revolution	65/-
Religion and Science	30/-
Tabligh Movement	20/-
The Way to Find God	5/-
The Teachings of Islam	6/-
The Good Life	6/-
The Garden of Paradise	6/-
The Fire of Hell	6/-
Muhammad The Ideal Character	5/-
Man Know Thyself!	5/-
इन्सान! अपने आपको पहचान	3/-
सच्चाई की तलाश	5/-
पैग़म्बरे-इस्लाम	3/-

U(SE)12/86

مکتبہ الرسالہ سی ۲۹ نظام الدین ویسٹ، نئی دہلی ۱۱۰۰۱۳